چاندنی رات میں کھلنے والے یہ پھول،
دل کی خاموش تمناؤں کی خوشبو ہیں۔
چاندنی کے پھول
از مام
سباس گل
ایک دلکش، حساس اور لازوال محبت کی کہانی
محبت ♥ احساس ♥ قربانی ♥ اعتماد ♥ تقدیر

محبت کے ہزار پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہوئی ایک دلکش داستان،
ان کے لیے جو محبتوں میں قربانیوں کا عزم رکھتے ہیں

چاندنی کے پھول

سباس گل

شام دھیرے دھیرے ڈھل رہی تھی۔ باہر ہر طرف سناٹا اور ملگجا اندھیرا تھا۔ یوں بھی سینہ تان کر کھڑے پہاڑوں کے بیچ اس چھوٹے سے شہر کے باسی جلدی سونے کے عادی تھے۔ یہاں سرِ شام ہی سکوت اور سکون کے سائے اترنے لگتے تھے۔ پھر جوں جوں اندھیرا گہرا ہوتا جاتا، رہی سہی رونق اور چہل پہل بھی ماند پڑنے لگتی۔

سالار خان نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ ابھی صرف شام کے سوا چھ بجے تھے۔ وہ شہر سے چھٹیاں گزارنے کے لیے یہاں آیا تھا۔ مغرب کی نماز کا وقت ہوا تو جیپ باہر کھڑی کر کے نماز کے لیے مسجد میں چلا گیا تھا۔ باہر کے سناٹے کو اس نے قدرے حیرت سے دیکھا اور گرم شال اپنے شانوں پر پھیلا کر جیپ میں بیٹھ گیا۔ اپنے بنگلے پر پہنچنا تھا۔ اس نے گاڑی کی چابی اگنیشن میں لگائی ہی تھی کہ اسے اپنے شانے پر ایک ہلکا، نرم دباؤ محسوس ہوا۔ وہ چونک گیا۔

''صاحب! ہمیں بچالو صاحب۔'' ایک گھبرائی ہوئی سہمی ہوئی کانپتی ہوئی نسوانی آواز نے اس کی سماعتوں میں جلترنگ بجا دیئے۔ اس نے حیرت سے اچھل کر مڑ کر دیکھا۔ ملگجی روشنی میں اسے صرف دو چمک دار آنکھیں دکھائی دیں۔ باقی چہرہ نقاب کی وجہ سے اس کی نظروں سے اوجھل تھا۔

''کون ہو تم؟'' سالار خان نے سنبھل کر سپاٹ لہجے میں کہا۔

''صاحب! ہم گل چاندنی ہے۔ ہم کو بچالو صاحب۔'' وہ منت بھرے پُرنم لہجے میں بولی۔ ''وہ لوگ ہم کو نہیں چھوڑے گا۔ ہم بڑی مشکل سے بچ کر ادھر آپ کی گاڑی میں چھپا ہے۔''

''تم گھر سے بھاگ کر آئی ہو۔'' سالار خان نے اس کے برابر سیٹ پر رکھے اسی کے سفری بیگ کو دیکھ کر پوچھا۔

''جی۔'' وہ اتنا ہی بول سکی۔

''جانتی ہو یہ کتنی نازیبا اور اخلاق سے گری ہوئی حرکت ہے۔'' وہ سخت لہجے میں بولا۔

''ہم جانتے ہیں صاحب مگر ہم کسی کے ساتھ تھوڑی بھاگ کر آئے ہیں۔ ہم تو اپنی عزت بچا کر

آئے ہیں۔ نازیبا اور اخلاق سے گری ہوئی حرکت تو وہ لوگ کر رہے تھے۔ وہ ہم کو خریدنے آئے تھے صاحب۔ ہم کوئی بکاؤ مال تو نہیں تھے صاحب کہ بک جاتے۔"

"کون لوگ ہیں وہ جو تمہیں بیچنا چاہتے ہیں؟" اب کے وہ قدرے نرم لہجے میں مخاطب ہوا تھا۔

"وہ ہمارے چاچا ماما ہیں صاحب۔"

"اور تمہارے ماں باپ کہاں ہیں؟"

"وہ تو اللہ میاں کے پاس ہیں۔" اس نے بے حد معصوم اور دل گیر لہجے میں کہا۔ بات تو دکھ کی تھی مگر اس کا انداز اس قدر معصوم تھا کہ سالار خان کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ امڈ آئی۔ جسے اس سے چھپانے کے لیے رخ موڑ لیا اور رنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

"تو اب تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

"صاحب! آپ ہماری عزت بچالو صاحب۔ وہ آدمی ہمارے پیچھے لگے ہیں۔"

"وہ بھی آدمی ہیں جن سے تم اپنی عزت بچا کر بھاگی ہو اور میں بھی آدمی ہوں جس سے تم اپنی عزت کی حفاظت کی توقع کر رہی ہو۔ تمہارے خیال میں میرے ہاتھوں تمہاری عزت محفوظ رہے گی۔" وہ بھی اس کی رائے جاننے کے لیے نہایت سنجیدہ لہجے میں بولا۔ ورنہ تو وہ بہت مضبوط کردار کا مالک تھا، عورت کی عزت کرنا جانتا تھا۔

"صاحب! ہم نے آپ کو مسجد میں جاتے دیکھا تو ہم آپ کی گاڑی میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے۔ وہ سوچ کر کہ جو شخص اللہ کے آگے جھکنے کا فرض ادا کر سکتا ہے تو وہ اللہ کی کتاب پر بھی عمل کرتا ہوگا۔ جس شخص کے قدم اللہ کے گھر کی طرف اٹھ رہے ہیں اس شخص کے ہاتھ ہماری عزت کی طرف نہیں اٹھ سکتے۔" گل چاندنی نے ایمانداری، صاف گوئی اور سادگی سے کہا تو جیسے اس کی یہ بات یہ گواہی سالار خان کو اپنی ہی نگاہوں معتبر بنا گئی۔ خوشی اس کے دل و روح میں سرائیت کی گئی۔ ایک اکیلی لڑکی نے اس کے کردار کی پاکیزگی پر، مضبوطی پر بنا اسے پرکھے یقین کیا تھا۔ اسے اعتماد دیا تھا تو وہ کیسے نہ اس کی عملی تصدیق کرتا۔

''ٹھیک ہے میں تمہیں دارالامان چھوڑ آتا ہوں۔'' سالار خان نے سنجیدگی سے کہا۔

''نہیں صاحب! خدارا ہمیں دارالامان مت چھوڑنا۔ وہ لوگ ہمیں ادھر سے ہی تو گھر لائے تھے۔ یہ کہہ کر کہ ہم تم کو اپنی بیٹی بنا کر رکھیں گے۔ ہمارے ہوتے ہوئے تم کو دارالامان میں رہنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم بھی ان کی باتوں میں آ گئے کہ آخر وہ ہمارے چاچا، ماما ہیں، ہمارا بھلا سوچیں گے مگر انہوں نے تو دوسرے دن ہی ہمارا سودا کر دیا۔ وہ لوگ ہمیں لینے آئے تھے تو ہم چپکے سے گھر کے پچھلے دروازے سے بھاگ نکلے۔'' گل چاندنی نے روتے ہوئے بتایا تو وہ الجھن میں مبتلا ہو گیا کہ آخر کرے تو کیا کرے، کہاں لے جائے اس لڑکی کو، ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ تین آدمیوں کو اس نے اپنی جیپ کی طرف آتے دیکھا۔

گل چاندنی کی نظر بھی ان پر پڑ گئی تو ہی وہ خوف زدہ ہو کر شدت سے رونے لگی اور روتے ہوئے منت بھرے لہجے میں بولی۔ ''صاحب! صاحب! یہ وہی ہیں ہم کو بچا لو صاحب یہ لوگ۔ جو آ رہے ہیں۔ یہ ہم کو بیچنے اور خریدنے والے ہیں۔ ہمیں ان کے حوالے نہیں کرنا صاحب۔ ہم آپ کو ساری زندگی دعائیں دیں گے۔''

''مجھے صرف دعائیں نہیں چاہئیں۔'' سالار خان نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''تو پھر کیا چاہیے صاحب؟''

''تم اپنی چادر اپنے اوپر پھیلا کر سیٹ پر لیٹ جاؤ۔ ایسے کہ جیسے تم سو رہی ہو۔ میں ان لوگوں سے نبٹ لوں گا۔'' وہ اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بارعب لہجے میں بولا کیونکہ وہ آدمی اس کی جیپ کے قریب آ چکے تھے اس لیے گل چاندنی نے فوراً اس کی بات پر عمل کیا اور سیٹ پر دبک کر لیٹ گئی۔

''معاف کیجیے گا صاحب! کیا آپ نے ادھر سے کسی لڑکی کو بھاگتے دیکھا ہے؟''

گل چاندنی کے چاچا نے سالار خان کے قریب آ کر پوچھا تو اس کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگا کہ پتا نہیں وہ کیا جواب دے گا انہیں۔

''نہیں بھائی! میں یہاں لڑکیوں کو بھاگتے دیکھنے نہیں آیا۔ ویسے کیا یہاں لڑکیوں کے بھاگنے

دوڑنے کا مقابلہ ہو رہا ہے۔'' سالار خان نے مسکرا کر کہا۔

''اور نہیں صاحب، ایک خانہ خراب کا بچہ بھاگ گیا ہے۔'' وہ شخص غصے سے بولا۔

''بچہ..... ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ لڑکی.....'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''چلو یار، ان کو کیا معلوم۔'' دوسرے شخص نے کہا جو گل چاندنی کا ماموں تھا۔

''ہاں بھائی جی! میں تو اس علاقے میں پردیسی ہوں، آج آیا ہوں چند دن میں واپس شہر چلا جاؤں گا۔ مجھے کیا معلوم کون لڑکی، کیسی لڑکی۔ خدا حافظ۔'' سالار خان نے یہ کہہ کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

''صاحب! یہ پیچھے گاڑی میں کون لیٹا ہے؟'' تیسرے شخص کی نگاہ جیپ کی پچھلی سیٹ پر چادر میں چھپی لیٹی گل چاندنی پر پڑی تو فوراً پوچھا۔

وہ غصے سے سخت لہجے میں بولا۔ ''یہ لیٹا نہیں ہے، یہ میری بیوی ہے بلکہ تھک کر سو گئی ہے۔ تم نے کیا سمجھے ہے اسے۔ نجانے کس غریب لڑکی کے پیچھے لگے پھر رہے ہو۔ اپنی عمریں دیکھو اور اپنے کرتوت دیکھو۔''

''او چلو یارا، یہ یہ ہمیں پھنسوائے گا۔'' گل چاندنی کا چاچا سالار خان کے غصے سے گھبرا کر ان دونوں کو کھینچتا ہوا دور لے گیا۔

''اے لڑکی اٹھو، اترو گاڑی سے۔'' سالار خان نے ان تینوں کے نظروں سے اوجھل ہو جانے کے بعد گردن گھما کر پیچھے دیکھتے ہوئے بارعب لہجے میں کہا تو وہ ڈر کر فوراً اٹھ بیٹھی۔ چہرہ اب بھی نقاب میں تھا، وہ روتے ہوئے بولی۔

''صاحب! ہم کہاں جائیں گے، آپ ہم کو اپنے گھر لے جائیں صاحب، ہم آپ کے گھر کا سارا کام کریں گے۔ آپ بے شک ہم کو تنخواہ بھی مت دینا۔ بس ہمیں رہنے کے لیے چھت دے دینا۔ خدا کے لیے صاحب آپ ہمیں اپنے گھر لے جائیں۔''

''افوہ! عجیب احمق لڑکی ہو تم، میں تمہیں اپنے گھر ہی تو لے جانا چاہتا ہوں مگر پورے قانون قاعدے کے ساتھ۔ عمر کیا ہے تمہاری؟'' وہ جھلا کر بولا۔

''س..... سترہ سال اور ایک ہفتہ۔'' اس نے سہمی، کانپتی آواز میں بتایا۔

''سترہ سال اور ایک ہفتہ۔'' وہ اس کے ایک ہفتے کے حساب کتاب پر محظوظ ہو کر ہنس پڑا اور پھر پُرسوچ انداز میں بولا۔ ''یعنی پورے دس سال چھوٹی ہو تم مجھ سے۔ بالغ ہو۔ ہوں۔ چلو گاڑی سے اترو اور میرے ساتھ چلو۔''

''صاحب! ہم اب کیا کریں گے؟''

''ہم اب نکاح کریں گے۔'' سالار خان نے اسی کے انداز و آواز میں جواب دیا تو وہ جھینپ سی گئی، سالار خان کو اس سے بہتر اس کے مسئلے کا کوئی حل سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ بغیر کسی رشتے ناطے کے ایک غیر لڑکی کو اپنے ساتھ لے جانا نہیں چاہتا تھا لہٰذا ذہن میں اس سے شادی کا خیال آیا اور اس نے مسجد میں جا کر مولوی صاحب سے بات کی، انہیں صورت حال سمجھائی اور مولوی صاحب سمجھ دار اور اچھے انسان تھے۔ انہوں نے گل چاندنی سے بھی بات کی اور مسجد میں موجود اپنے بیٹوں اور نمازیوں کی موجودگی میں ان دونوں کا نکاح پڑھوا دیا۔

مولوی صاحب نے انہیں مبارک باد اور دعائیں دیں۔ سب نے تھوڑی تھوڑی سلامی دی۔ سالار خان نے مسجد کے لیے دو ہزار روپے چندہ دیئے اور نکاح نامے کا کاغذ اور گل چاندنی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامے مسجد سے باہر آ گیا۔ اور اس ک لیے جیپ کا فرنٹ ڈور کھول دیا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''اب تم میری بیوی ہو اس لیے میرے برابر بیٹھو گی۔'' سالار خان نے اس کی سوالیہ نظروں کو پڑھتے ہوئے کہا تو وہ خاموشی سے جیپ میں بیٹھ گئی اور اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر جیپ اسٹارٹ کر دی۔ گل چاندنی نے خود کو اس کی موجودگی میں اس کے نام کا حصہ بن کر بہت محفوظ محسوس کرنا شروع کر دیا تھا۔ اب وہ اطمینان سے اس کے برابر بیٹھی تھی اور اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ سالار خان چھ فٹ لمبا تھا اس کی جسامت بہت مضبوط تھی۔ بھرا بھرا کسرتی جسم، کھلی کھلی سنہری رنگت، گھنے سیاہ بال، سیاہ گہری گہری آنکھیں، خوب صورت ناک، سرخی مائل بھرے بھرے ہونٹوں پر گھنی سیاہ خوب صورت تراشیدہ مونچھیں، آواز کا سحر اور رعب..... گل چاندنی ک رگ و پے میں ایک خوشی اور تفاخر کی لہر دوڑ گیا۔

وہ جو مردوں سے بدظن تھی۔ اب تک مردوں کے منفی روپ ہی دیکھتی چلی آئی تھی۔ اب سالار خان کو بہت حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اس کے لیے عزت کے ساتھ ساتھ محبت کے جذبے بھی امڈ آئے تھے۔ یہ وہ مرد تھا جس نے اسے عزت دی تھی، اسے اپنا نام دے کر محفوظ کر دیا تھا۔ ان ہوس پرست درندوں سے بچا لیا تھا جو اس کے معصوم، کم سن حسن سے کھیلنا چاہتے تھے۔ وہ دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

گل چاندنی کی ماں جنت بی بی ایک مقامی کالج میں چپڑاسن تھی، کالج کی پرنسپل آمنہ بیگم کی منظور نظر تھی۔ جنت بی بی بہت نیک عورت تھی، گل چاندنی اس کی اکلوتی اولاد تھی۔ وہ اسے بھی دوسری لڑکیوں کی طرح پڑھانا چاہتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ گل چاندنی پڑھ لکھ کر کالج میں استانی لگے۔ گل چاندنی کو وہ خوب محنت کر کے پڑھا رہی تھی۔ اس کا شوہر گل چاندنی کا باپ رفیق نشے کا عادی تھا۔ اپنے نشے کی خاطر اس نے گھر کا سارا سامان فروخت کر دیا تھا۔ جنت بی بی روز اس کے تشدد کا نشانہ بنتی، مار کھا کھا کر اس کا ظلم سہہ سہہ کر وہ آدھی رہ گئی تھی۔ اسے ٹی بی نے گھیر لیا تھا۔ رفیق اس سے پیسے چھین لیا کرتا تھا۔ اس کی ان حرکتوں سے تنگ آ کر ایک دن اس نے میڈم آمنہ سے بات کی اور اپنی تنخواہ ان کے پاس بطور امانت رکھوانے لگی۔

گل چاندنی کو اس نے بہت محبت اور محنت سے پڑھایا، اسکول اور کالج میں اس کی فیس معاف کروا کر اسے بارہ جماعتیں کرائیں اور جونہی وہ ایف اے کا امتحان دے کر فارغ ہوئی، رفیق نے اس کی شادی ایک ساٹھ سالہ بوڑھے شخص سے کرنے کا شوشہ چھوڑ دیا۔ جس سے دونوں ماں بیٹی سہم گئیں۔

رفیق نے بوڑھے آدمی سے پچیس ہزار روپے لے لیے تھے۔ اس نے اپنے نشے پانی کے لیے اپنی اکلوتی بیٹی کا سودا کر دیا تھا۔ جنت بی بی نے احتجاج کیا تو وہ پھر تشدد پر اتر آیا۔ گل چاندنی کے لیے باپ کا یہ رویہ ناقابل برداشت اور قابل نفرت تھا۔ وہ جنت بی بی کو بچانے کے لیے بڑھتی تو رفیق اسے بھی مارنے کو دوڑتا۔ جنت بی بی اپنی بیماری اور رفیق کے وحشیانہ تشدد کے نتیجے میں اللہ کو پیاری ہو گئی اور

جاتے جاتے گل چاندنی کو میڈم آمنہ سے ملنے اور دارالامان چلے جانے کی وصیت بھی کر گئی۔

جنت بی بی کیا گئی تھی گل چاندنی کی دنیا ہی اندھیر ہو گئی تھی۔ وہ ذہین اور سمجھ دار مگر کم عمر و حسین تھی اور رفیق نے جنت بی بی کے سوئم کے دن ہی اسے گھر سے رخصت کر دینے کا فیصلہ سنایا تو اس کے پیروں تلے سے زمین ہی نکل گئی اور وہ اپنا ضروری سامان اپنے بیگ میں رکھ کر چپکے سے اس گھر کی چوکھٹ سے باہر نکل گئی جہاں کی چھت اسے امان دینے کے قابل نہیں رہی تھی، جس گھر کی دیواریں اسے تحفظ دینے کا حق ادا نہیں کر سکتی تھیں، وہ میڈم آمنہ سے ملنے ان کے بنگلے پر گئی مگر وہ نہ ملیں۔ ان کے ملازم نے اسے بتایا کہ وہ اپنے بیٹے کے پاس لندن چلی گئی ہیں چھٹیاں گزار کر ہی واپس آئیں گی ایسے میں اس کے پاس دارالامان جانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ روتی تڑپتی دارالامان چلی آئی۔ وہاں کی انتظامیہ نے اس سے پوچھ گچھ کر کے اس کا حوصلہ پست کر دیا۔

وہ بمشکل ایک مہینہ وہاں رہ پائی تھی کہ اسے رفیق کی موت کی خبر ملی وہ نشے کی حالت میں مر گیا تھا۔ کئی روز سے اسے اپنا نشہ پورا کرنے کے لیے مال جو نہیں ملا تھا مال کے لیے رقم چاہیے تھی جو پچیس ہزار اس نے بوڑھے شخص سے گل چاندنی کے بدلے میں لیے تھے، وہ اس نے گل چاندنی کے گھر سے غائب ہو جانے کی وجہ سے واپس چھین لیے تھے۔ جنت بی بی بھی اب اس دنیا میں نہیں تھی جو اس کے نشے کے لیے اسے رقم فراہم کرتی سو وہ سسک سسک کر مر گیا۔

دارالامان کی انتظامیہ نے گل چاندنی کے چچا اور ماموں سے بات کی کہ اسے اپنے گھر لے جائیں، انہیں سمجھا تو وہ بھی اسے سمجھا بجھا کر پیار اور اپنائیت جتا کر اپنے ساتھ لے گئے اور اگلے ہی دن اس کی قیمت وصول کر لی۔ اور وہ ان کی باتیں اتفاق سے سن چکی تھی۔ اس لیے ان کے گھر سے بھاگ نکلی اور پھر اسے سالار خان مل گیا۔

راستے میں سالار خان کے پوچھنے پر گل چاندنی نے اسے اپنی آپ بیتی سنا دی۔

''بہر حال جو ہوا سو ہوا، اب تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب تم میری حفاظت میں ہو، میری بیوی ہو، کسی کو تم پر نگاہ اٹھانے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔'' سالار خان نے جیپ ایک بڑے

سے گیٹ کے اندر لے جاتے ہوئے کہا۔

''شکریہ صاحب!'' گل چاندنی نے تشکر آمیز لہجے میں کہا۔

''صاحب نہیں سالار، میرا نام لے کر پکارو۔'' سالار خان نے اس کے نقاب میں چھپے سراپے پر نگاہ ڈال کر کہا اور گاڑی روش پر روک دی۔

''مگر آپ تو بہت بڑے ہیں اور بڑوں کو ان کے نام سے تو نہیں پکارتے نا۔''

''میں تم سے بڑا ضرور ہوں لیکن تمہارا شوہر بھی تو ہوں۔ اچھا اترو نیچے۔ باقی باتیں اندر چل کر ہوں گی۔'' سالار خان نے مسکراتے ہوئے کہا اور جیپ سے اتر گیا۔ وہ بھی فوراً اتر گئی۔ وہ ملازم کو سامان اندر پہنچانے کا آرڈر کرتا اسے اپنے ساتھ لے کر اندر آ گیا اور اپنے بیڈ روم میں پہنچ کر اس نے لائٹ آن کر دی۔ یہ کشادہ اور تزئین و آرائش سے بھرپور بیڈ روم تھا۔

''برابر میں واش روم ہے، تم نہا دھو کر فریش ہو جاؤ، میں بھی فریش ہو کر آتا ہوں۔'' سالار خان نے واش روم کی جانب اشارہ کر کے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

اس نے چادر اتار کر ایک طویل اور گہرا سانس لبوں سے خارج کیا اور اپنے بیگ میں سے ہلکے آسمانی رنگ کا سوٹ نکال لیا۔ یہ سوٹ اس کی مرحومہ ماں جنت بی بی نے اس کے جہیز کے لیے بنوایا تھا۔ اسے ماں کی یاد آئی اور اس کی گھنی پلکیں نم ہو گئیں، کپڑے لے کر وہ واش روم میں چلی گئی، گرم پانی سے شاور لے کر وہ بہت تازہ دم ہو گئی تھی۔ بال اچھی طرح تولئے سے خشک کیے، سنوارے، کمرے میں آ کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے خود کو دیکھا تو مسکرا دی۔ کتنی نکھری نکھری لگ رہی تھی وہ۔ آنکھوں میں کاجل کی ہلکی سی لائن لگا کر اس نے اپنی گلابی ہتھیلیوں کو دیکھا جو مہندی کے بغیر اس کے دلہن بننے پر اس سے شکایت کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ اسے کتنا شوق تھا مہندی لگانے اور چوڑیاں پہننے کا مگر موقع ہی نہ مل سکا یہ شوق پورے کرنے کا۔ اسے ماں کی یاد ستا رہی تھی۔ اسے کتنا ارمان تھا۔ اسے دلہن کے روپ میں دیکھنے کا، آج وہ بغیر کسی زیور اور میک اپ کے پھول اور گجروں کے دلہن بنی کھڑی تھی تو اس کو دعائیں دینے والی ماں موجود نہیں تھی مگر اس نے خود کو یہ کہہ کر تسلی دے لی کہ یہ اس کی

ماں کی دعاؤں کا ہی نتیجہ ہے کہ وہ اس طرح عزت و آبرو کے ساتھ ایک اچھے انسان کی بیوی بن کر یہاں آئی ہے۔

اس کے لمبے ریشمی بال اس کی پشت پر لہرا رہے تھے، بالوں کی ہلکی ہلکی نمی اسے ٹھنڈک کا احساس دلا رہی تھی، کمرہ خاصا ٹھنڈا تھا۔ اس نے بال سنوارنے کے بعد آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ اس کی سمندر جیسی گہری نیلی آنکھیں ستاروں کی چمک رہی تھیں۔ دودھیا رنگت، گلابی ہونٹوں پر سجی دلکش مسکراہٹ اس کے حسن کو چار چاند لگا رہی تھی۔ وہ متناسب قد کاٹھ کی نازک سی لڑکی تھی۔ حسن و دلکشی ایسی کہ دیکھنے والا نگاہ ہٹانا بھول جائے۔ یہ اس کا حسن ہی تو تھا جس کی اس کے اپنوں نے قیمت وصول کرنا چاہی تھی۔

''ٹرالی رکھ کر تم جاؤ آرام کرو۔'' سالار خان کی آواز پر وہ چونک گئی اور جلدی سے دوپٹہ اوڑھ لیا۔ سالار خان نے اپنے ملازم سے کہا تھا جو ٹرالی پر ان دونوں کے لیے کھانا سجائے کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا۔

''آؤ بھئی چاندنی، کھانا کھالو۔'' سالار خان نے دروازہ لاک کرتے ہوئے کہا مگر وہ مارے شرم وحیا کے بیڈ کے کنارے پر سر جھکائے خاموشی سے بیٹھ گئی۔

''آؤ نا.....'' سالار خان نے اس کی جانب دیکھا۔ اسے صرف اس کی پشت پر بکھرے بال دکھائی دے رہے تھے۔ وہ اس کی جھجک کی وجہ سمجھا تو ہنس پڑا۔

''اوہو..... سوری بھئی میں تو بھول ہی گیا کہ میں دلہن سے مخاطب ہوں، اپنی دلہن سے جس کا میں نے ابھی تک چہرہ بھی نہیں دیکھا۔ پہلے نقاب رخ الٹ دیں تاکہ آپ کی جھجک دور ہو جائے۔'' سالار خان نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کے قریب بیٹھ گیا۔

وہ مزید سمٹ گئی۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ خوف سے، سردی سے یا خوشی سے۔ سالار خان سمجھ نہیں سکا اور اس کے دونوں ہاتھ اپنے ایک ہاتھ میں تھامے تو جیسے اس کے اندر نرم گرم مہکتی حرارت اترنے لگی۔ سردی کا احساس جاتا رہا اور وہ اس کے ہاتھوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے روئی کے گالوں کو یا پھول کی نرم پتیوں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہو۔ اس نے

شوخ وشریر لہجے میں اس سے پوچھا۔

''یہ تمہارے ہاتھ کس میٹریل کے بنے ہوئے ہیں؟''

''جس میٹریل کے آپ کے بنے ہوئے ہیں۔'' اس نے شرمگیں لہجے میں کہا۔

وہ ہنس پڑا۔ ''اچھا اب ذرا تمہاری رونمائی ہو جائے، بسم اللہ۔'' سالار خان نے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے سے دوپٹہ آہستہ آہستہ پیچھے سرکایا۔

''او مائی گاڈ۔'' اس کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی حیرت سے سالار خان کے منہ سے نکلا۔

اتنا حسن اس نے پہلے کہاں دیکھا تھا؟ اور وہ اس کے اسی ردعمل پر گھبرا گئی۔ کبھی گھنی سیاہ چمک دار پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا تو اس کے دل کی دنیا الٹ پلٹ ہو گئی۔

''کیا ہوا؟ آ.....آپ نے ایسا کیوں بولا؟'' اس نے ڈرتے جھجکتے پوچھا۔

''تم کون ہو لڑکی؟'' وہ حیرت میں ڈوبے لہجے میں سوال کر رہا تھا۔ وہ سٹپٹا گئی۔

''ہم.....گل چاندنی ہیں، آپ نے.....ہم سے.....نن.....نکاح کیا تھا آج۔''

''میں نے تم سے نکاح کیا ہے۔'' سالار خان نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کی نیلی چمک دار آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ تقریباً رونے والی ہو کر بولی۔

''تو اور کیا، اب آپ انکار کرے گا۔''

''نہیں اب ہم پیار کرے گا۔'' سالار خان نے شوخ وشریر لہجے میں کہا۔ اور اس کے نازک وجود کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔ اس کی نیلی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ اس نے حیرت سے اسے دیکھا تو وہ والہانہ پن سے بولا۔

''ان آنسوؤں کو پیچھے بھیج دو میں تو پہلے ہی ان آنکھوں میں ڈوبا جا رہا ہوں۔''

''آپ نے تو ہماری جان ہی نکال دی تھی۔'' اس نے پیار بھری خفگی سے کہا۔

''اور تم نے جو میرا دل نکال لیا ہے.....وہ۔'' وہ پیار سے بولا۔

''تو بند کر کے رکھنا تھا اپنے دل کو۔'' وہ شرمیلی ہنسی ہنس کر بولی۔ دل سے بوجھ اتر گیا تھا۔

''تم نے بھی بند کر کے رکھنا تھا نا اپنے اس چاندنی سے حور چہرے کو، وہ اس کے چہرے کو چھوتے ہوئے محبت سے بولا۔ ''یا کم از کم مجھے الرٹ کر دینا تھا کہ آگے خطرہ ہے۔ دل قابو میں رکھ کر گھونگھٹ اٹھائیں، میرا تو دل بند ہونے لگا تھا۔''

''اب ایسے تو نہ بولیں، ہمارا اب کون ہے آپ کے سوا؟'' اس نے تڑپ کر کہا۔

''اچھا بابا معافی دے دو نیں بولتا ایسی بات۔ یہ تو بتاؤ کہ تم کہیں غلطی سے جنت کی روڈ کراس کرتے ہوئے تو ادھر نہیں آنکلیں یا میں تو جنت کی روڈ پر گاڑی نہیں چلا رہا تھا۔ مجھے تو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا کہ زمین پر کوئی تم ایسی حسین لڑکی بھی ہو سکتی ہے۔'' وہ اپنے مخصوص نرم اور اپنائیت بھرے انداز میں بولا۔

''یقین تو ہمیں بھی نہیں آ رہا کہ زمین پر آپ سا اچھا اور نیک مرد بھی ہو سکتا ہے۔ آپ نے ہمیں اپنا کر ہمارے ساتھ بہت بڑی نیکی کی ہے۔''

''اور مجھے آج یقین ہو گیا ہے کہ نیکی کا صلہ بہت حسین بہت خوب صورت ہوتا ہے۔'' وہ اس کے چہرے کو چاہت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''اللہ آپ کو اس نیکی کا اجر دے گا۔'' اس نے شرماتے، مسکراتے ہوئے کہا۔

''اور تم کیا دو گی؟'' وہ اس کے بالوں کو چھیڑتے ہوئے شوخی سے پوچھ رہا تھا۔

''ہمارے پاس کیا ہے؟'' اس نے معصومیت سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

''تمہارے پاس تو بہت کچھ ہے۔ اگر تم دینا چاہو تو ڈھیر ساری محبت.....'' سالار خان نے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ اس کے چہرے کو محبت سے دیکھتی رہی اور جب اس کی بات کی گہرائی میں اتری تو اس نے شرما کر اپنا چہرہ اس کے فراخ سینے میں چھپا لیا۔ وہ مسرور ہو کر ہنس پڑا۔ ان چند منٹوں کی ملاقات، بات اور رشتے کی مضبوطی نے اسے بے خود کر دیا تھا۔ وہ اپنی نیکی کے اس حسین اجر پر خدا کا شکر ادا کر رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

صبح ناشتے کی میز پر وہ اسی کو دیکھے جا رہا تھا۔ اس کی نیلی آنکھوں کا طلسم اسے بے خود کر رہا تھا۔ گھنیری پلکوں کی جھالر ان آنکھوں کو لمحے بھر کے لیے پردے میں لے جاتی تو اس کا دل گدگدانے لگتا۔ وہ اس کی نظروں کے اس والہانہ پن پر شرما رہی تھی اور قدرے گھبرا بھی رہی تھی۔ اس نے رات والا لباس ہی زیبِ تن کیا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ دن کے اجالے میں اور زیادہ نکھرا نکھرا دکھائی دے رہا تھا۔

''چاندنی! تمہارا نام کس نے رکھا تھا؟'' سالار خان نے اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے پوچھا۔

''ہماری نانی جان نے رکھا تھا۔ ہماری آنکھیں بھی ہماری نانی جان کی آنکھوں جیسی ہیں۔ جب ہم پیدا ہوئے تو اس رات چاندنی رات تھی۔ ہماری امی بتاتی تھیں کہ اس چاندنی کی وجہ سے اور ہمارے رنگ روپ کی وجہ سے ہماری نانی جان نے ہمارا نام گل چاندنی رکھا تھا۔ ''گل چاندنی'' ایک سفید پتیوں والا پھول ہوتا ہے جو چاندنی رات میں کھلتا ہے اور بہت پیارا ہوتا ہے۔'' اس نے تفصیل سے بتایا۔

''ہاں، یہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں۔'' وہ چاہت سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

وہ شرما کر بولی۔ ''آپ ناشتہ کیوں نہیں کر رہے۔''

''آپ کا نظارہ جو کر رہے ہیں۔'' اس کے لہجے میں شوخی اور پیار بھرا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر دلنشین حیا آلود مسکان آ کر ٹھہر گئی۔ گل چاندنی کی چاندنی سے دمکتی چمکتی صورت گل کی مانند نرم مہکتا وجود سالار خان کے جسم و جاں میں نئی امنگیں، نئے جذبے، نئے اظہار کو جنم دے رہا تھا۔ وہ اپنی اس بدلتی ہوئی کیفیت پر حیران ہو رہا تھا۔ اس نازک سی چھوٹی سی لڑکی نے اسے آن کی آن میں اپنا دیوانہ بنا لیا تھا۔ اسے اس سے ہی چرا لیا تھا۔

''آپ اب ناشتہ کر لیجیے نا، ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' گل چاندنی نے حیا آمیز لہجے میں کہا۔

''تم بھی تو شروع کرو، یہ لو۔'' سالار خان نے بمشکل اس کے چہرے سے نگاہ ہٹا کر آملیٹ کی پلیٹ اس کے سامنے رکھ دی اور وہ تو ناشتے میں صرف دودھ پینے کی عادی تھی۔

''نہیں، ہم صرف دودھ کا ایک گلاس پئیں گے۔'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''کچھ کھاؤ گی نہیں۔''

''نہیں۔صرف دودھ پئیں گے۔''

''یو آر ریئلی اے لٹل بے بی۔'' سالار خان نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر بہت پیار سے مسکرا کر کہا تو وہ خجل سی ہوگئی اور وہ اس کی حالت سے محظوظ ہو کر ہنس دیا۔

''ناشتہ مکمل اور بھرپور طریقے سے کرنا چاہیے۔کم از کم ایک سلائس یا سیب تو لو نا۔'' سالار خان نے اپنی پلیٹ میں فرائی انڈا رکھتے ہوئے کہا۔

''جی صاحب۔'' اس نے سلائس اٹھاتے ہوئے کہا۔

''اوں ہوں۔بھئی صاحب مت کہو چاندنی۔'' وہ نرمی سے بولا۔''مجھے صاحب اور سائیں کہنے کے لیے میرے ملازم، ماتحت اور مزارعے ہی بہت ہیں۔تم مجھے میرے نام سے مخاطب کرو تو مجھے بہت اچھا محسوس ہوگا۔''

''سالار۔'' گل چاندنی نے اس کے دلکش چہرے کو دیکھتے ہوئے بہت پیار سے کہا۔

وہ خوش دلی سے مسکراتے ہوئے بولا۔''جی سالار کا پیار۔بس اب پھر صاحب مت کہنا۔ہم کو اچھا لگا تمہارا یہ انداز تخاطب، سیدھا دل میں ترازو ہو گیا ہے۔''

''دل میں ترازو بھی ہوتا ہے۔'' گل چاندنی نے انتہائی معصومیت سے پوچھا۔

''ہاں ہوتا ہے محبت کا ترازو۔'' وہ اس کی بات پر قہقہہ لگا کر ہنس کر بولا اور اس نے سٹپٹا کر دودھ کا گلاس اٹھالیا۔

سالار خان نے چھری اور کانٹے سے صرف انڈے کی زردی الگ کر کے کھائی اور پلیٹ سرکا دی۔گل چاندنی نے حیرانگی سے اس کی پلیٹ کو دیکھا اور پھر اس کے چہرے کو دیکھ کر پوچھا۔

''یہ سفیدی آپ نے کیوں نہیں کھائی؟''

''یہ تمہارے لیے بچائی ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے مذاق سے بولا۔

''آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں صرف انڈے کی سفیدی کھاتی ہوں؟'' وہ حیران ہو کر بولی۔

''تمہاری سفیدی جیسی رنگت دیکھ کر۔'' وہ ہنس کر بولا تو وہ بھی ہنس دی۔

''میں تو مذاق سے کہا تھا تم کو سفیدی پسند ہے تو یہ دوسرا انڈا لے لو۔ اصل میں مجھے انڈے کی سفیدی سے زیادہ زردی پسند ہے۔ شروع کی عادت ہے میری۔ میں سفیدی ہمیشہ بچا دیتا ہوں۔'' اس نے سنجیدہ ہو کر کہا تو وہ ہنس پڑی اور سالار خان کو ایسا لگا جیسے اس کے چار سو بہاریں مسکرا اٹھی ہوں۔

اس کے موتیوں جیسے چمکتے دانت اس کے ہونٹوں کا حسن مزید اجاگر کر گئے، وہ بس اسے چاہت سے دیکھتا رہا۔

☆.....☆.....☆

سالار خان سندھ کے ایک بہت بڑے جاگیردار کا بیٹا تھا۔ اقتدار خان سالار خان کے والد سیاست دان بھی تھے۔ گاؤں اور شہر میں ان کی کروڑوں کی جائیداد تھی۔ ان کی بیوی زرینہ خاتون ایک پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ اگرچہ وہ لوگ گاؤں کے رہنے والے تھے مگر اب پڑھ لکھ کر شہر میں آباد ہو گئے تھے۔ اس ترقی اور جدت پسندی کے باوجود انہوں نے اپنی خاندانی روایتوں، رسموں اور رواجوں کو اب تک اپنایا ہوا تھا۔ وہ لوگ خاندان سے باہر شادی نہیں کرتے تھے تاکہ جائیداد خاندان سے باہر نہ جا سکے۔ بہت سے گھرانوں میں شادی کی عمر کو پہنچ جانے والی لڑکیاں ان فضول رسموں کی بھینٹ چڑھ جاتی تھیں۔

سالار خان کی ایک ہی بہن تھی جو اس سے پانچ سال بڑی تھی۔ اس کی شادی ماموں زاد بھائی سے ہوئی تھی۔ وہ بھی تعلیم یافتہ تھی اور شہر میں اپنے شوہر کے ساتھ مقیم تھی۔

سالار خان کے والد اقتدار خان دو بھائی تھے۔ ان سے دو سال چھوٹے ابرار خان تھے۔ ان کی شادی اقتدار خان کی سالی امینہ خاتون سے ہوئی تھی۔ دونوں بھائیوں کی شادیاں دونوں بہنوں سے ہوئی تھیں جو رشتے میں ان کی خالہ زاد بہنیں لگتی تھیں۔ ابرار خان اور امینہ خان کے دو بچے تھے۔ اصرار خان جس سے اقتدار خان کی بیٹی سائرہ کی شادی کر دی گئی تھی اور ایک بیٹی تھی۔

سفینہ بہت خود سر اور ضدی واقع ہوئی تھی۔ شہر میں پلی بڑھی تھی، یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی تھی اس لیے اس پر نخرے ہی سوار تھے، خاندان کی دوسری لڑکیوں پر وہ بہت رعب جھاڑا کرتی تھی۔ فیشن کی

دلدادہ تھی، چونکہ اس کی ہر جائز ناجائز خواہش اور ضد ہمیشہ سے پوری ہوتی چلی آئی تھی لہٰذا وہ اب پختہ ہو گئی تھی اپنی عادت میں۔ جو چیز اسے پسند آجاتی وہ اسے حاصل کر کے ہی دم لیتی۔ نہ ملنے کی صورت میں دوسرے کے قابل بھی نہیں چھوڑتی تھی۔ سفینہ ابرار خان عمر میں سالار خان سے تین سال بڑی تھی۔

سالار خان سات سال امریکہ میں گزار کر وطن واپس لوٹا تھا۔ اس نے ایگری کلچر (زراعت) اکنامکس اور کمپیوٹر سائنس میں ماسٹرز کیا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ وہاں ایک کمپنی میں جاب بھی کرتا رہا تھا۔ حالانکہ اقتدار خان اسے ہر ماہ کثیر رقم امریکہ بھجواتے تھے مگر وہ اپنے زور بازو سے کمانا چاہتا تھا۔ اپنی محنت اور قابلیت سے روپیہ کما کر علیحدہ سے بزنس شروع کرنا چاہتا تھا۔ اپنی تنخواہ وہ پاکستان اپنے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کراتا رہا تھا۔ اور اب تعلیم مکمل ہونے کے بعد وہ واپس آیا تو خاصا تھک چکا تھا۔

تھکن اتارنے اور تازہ دم ہونے کے لیے وہ مانسہرہ آیا تھا جہاں فارم ہاؤس بھی تھے۔ بنگلہ گاڑی، نوکر چاکر سبھی کچھ تھا اور اس کی رہائش وادی میں بہت ہی پُرفضا مقام پر تھی۔ وہ دوسری بار یہاں آیا تھا اور راستے میں اسے ''گل چاندنگی'' مل گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

چاند پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ چاندنی کے نقرئی رنگ کائنات کو اپنی آغوش میں سمیٹتے ہوئے مسکرا رہے تھے۔ فضا میں فرحت آمیز ٹھنڈک کا احساس رچا ہوا تھا۔ گل چاندنی ستون کے قریب کھڑی یہ خوابناک منظر دیکھ رہی تھی۔ اسے یہ سب خواب ہی تو لگ رہا تھا۔ سالار خان سے ملنا، اس سے شادی، اس کی پُرخلوص رفاقت اور محبت، اس کا دیوانہ پن، یہ خواب ہی تو تھا۔ اس نے تو کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ اسے اتنا خوب صورت محبت کرنے والا پُرخلوص اور جاں نثار شوہر نصیب ہوگا اور وہ جب سے مسز سالار خان بنی تھی، پل پل اپنے رب کا شکر ادا کر رہی تھی۔ اس انعام پر جو اس نے اسے سالار خان کی صورت میں عطا کیا تھا۔

''چاندنی، چاندنی میں کیوں کھڑی ہے؟'' سالار خان کی محبت بھری مدھم سی سرگوشی اسے اپنے قریب سنائی دی تو اس نے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھا اور بولی۔

''چاندنی، چاندنی کو دیکھ رہی ہے۔''

میرے دل کی چاندنی بھی میرے دل کا چین بھی تم

میری بانہوں میں سمٹ آؤ کہ تم ہو فقط میرے لیے

سالار خان نے بہت محبت سے اسے دیکھتے ہوئے یہ شعر پڑھا اور اسے اپنی محبت بھری بانہوں میں سمیٹ لیا۔ اس نے شرما کر اس کے سینے پر اپنا سر ٹکا دیا۔ محبت کی سرور آمیز ٹھنڈک ان دونوں کے وجود میں سرایت کرتی چلی گئی۔

''چاندنی کتنی اچھی لگتی ہے نا سالار۔'' وہ مدھم آواز میں بولی۔

''ہاں، چاندنی مجھے تو بہت ہی اچھی لگتی ہے۔'' وہ ذومعنی انداز میں بولا تو اسے ہنسی آ گئی اور پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

''ہم کائنات میں پھیلی ہوئی اس چاندنی کی بات کر رہے ہیں جو افق سے چاند زمین پر بکھیر رہا ہے۔''

''مجھے معلوم ہے مگر میں تو اس چاندنی کی بات کر رہا ہوں جس نے میرے دل کے افق پر چاند بن کر چاندنی پھیلا دی ہے۔ محبت کی چاندنی، یہ چاندنی تو ساری کائنات کے لیے مگر یہ چاندنی۔'' سالار خان نے اس کا چاند چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھر کر پیار سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ چاندنی صرف میرے لیے ہے۔''

''اور آپ بھی صرف اس چاندنی کے لیے ہی کوئی اور چاندنی نہ ڈھونڈ لیجیے گا۔''

''میں پاگل ہوں، جو ڈھونڈے بنا مل جانے والی اس گل چاندنی کو چھوڑ کر کوئی اور چاندنی ڈھونڈنے نکلوں۔'' سالار خان نے محبت سے کہا اور وہ خوشی سے سرشار ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

''اے، ہارس رائیڈنگ کرو گی؟'' وہ رائیڈنگ ڈریس میں ملبوس اسے پوچھ رہا تھا، اس نے اسے چاہت بھری نظروں سے دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولی۔

''مجھے گھوڑے سے ڈر لگتا ہے۔''

''مجھ سے تو ڈر نہیں لگتا نا۔''

''نہیں۔'' وہ ہنسی۔

''بس تو پھر آجاؤ میرے ساتھ، گھوڑے کا ڈر بھی میں ابھی دور کروا دیتا ہوں۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر سیاہ چمکیلی جلد والے پھرتیلے گھوڑے کے قریب آ گیا اور اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

''چلو بیٹھو اس گھوڑے پر۔''

''ہم اکیلے بیٹھیں گے۔'' وہ گھبرا کر بولی۔

''اور کیا اکٹھے بیٹھیں گے؟'' وہ اس کی بات پر ہنس کر بولا۔

''ہاں۔'' اس نے شرماتے ہوئے کہا تو وہ پھر ہنس پڑا۔

''اچھا چلو میں بھی تمہارے ساتھ بیٹھ جاتا ہوں۔ تمہیں سکھانے کے بعد اکیلے رائیڈنگ کراؤں گا۔'' اس نے اسے گھوڑے کی پشت پر سوار کرایا اور اس کے بعد خود بھی اس کے پیچھے بیٹھ گیا۔ گھوڑا تیزی سے حرکت میں آیا تو وہ سہم کر اس کے ساتھ لگ گئی۔ وہ ہنس پڑا اور لگامیں اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بولا۔

''ڈرو مت، میں ہوں نا تمہیں سنبھالنے کے لیے۔ لو یہ لگامیں پکڑو۔''

''یہ..... ہم پکڑیں تو آپ کیا پکڑیں گے؟'' وہ پریشان ہو کر بولی۔

''ہم آپ کو پکڑیں گے۔'' وہ شوخی سے بھرپور لہجے میں بولا اور اسے مضبوطی سے اپنی بانہوں کے حصار میں لے لیا، وہ شرما، گھبرا گئی۔ اور اس نے اسے بمشکل گھوڑا دوڑانے کے لیے تیار کیا۔ وہ اس کی موجودگی سے مطمئن ہو گئی اور اس کا ڈر بھی تھوڑی دیر میں ختم ہو گیا اور اس نے بہت اعتماد سے اس کی ہدایت پر ساتھ ساتھ عمل کرتے ہوئے گھوڑے کو قابو کیا۔ تقریباً پون گھنٹے کی مشق سواری کے بعد وہ واپس لوٹ آئے۔ سالار خان بہت خوش تھا۔

''تم نے تو کمال کر دیا، گھوڑے کو بڑی جلدی قابو کر لیا ہے۔'' اس نے ایمانداری سے اس کی تعریف کی۔

''آپ نے جو مجھے قابو کیا ہوا تھا۔'' اس نے شرمیلی مسکان لبوں پر سجائے اس کا بازو پکڑ کر کہا تو

وہ خوش دلی سے ہنس دیا اور پھر پیار سے بولا۔

''قابو تو تم نے مجھے کیا ہے۔ ایسا کہ خود کو چھڑانا مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی ہو گیا ہے میرے لیے۔''

''سالار! آپ بہت اچھے ہیں۔'' گل چاندنی نے دل سے کہا۔ ''ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہمارے پاس دنیا کی سب سے زیادہ خوب صورت چیز ہو اور وہ ہم آپ کو دے دیں۔''

''دنیا کی سب سے زیادہ خوب صورت چیز، ہستی تم جو ہو میرے پاس۔'' سالار نے محبت سے کہا تو خوشی سے اس کی نیلگوں آنکھیں موتی برسانے لگیں۔ سالار خان نے بے قرار ہو کر اس کے آنسو اپنی انگلیوں سے چن لیے۔ وہ ان آنسوؤں کا سبب سمجھ سکتا تھا۔ اس کی معصوم محبت پر اسے بے انتہا پیار آیا۔

☆.....☆.....☆

''گل چاندنی، چاندنی! یہ دیکھو میں تمہارے لیے کچھ ملبوسات اور جیولری لایا ہوں۔''

وہ صبح کا جیپ میں نکلا تھا، اب دوپہر کو لوٹا تھا تو اس کے ساتھ کئی شاپنگ بیگ بھی تھے۔ گل چاندنی سب چیزیں دیکھ کر حیران رہ گئی۔

''ان سب چیزوں کی کیا ضرورت تھی؟''

''ضرورت کیوں نہیں تھی۔ یہ سب تمہاری رونمائی کے تحفے ہیں، اتنی دور سے خرید کر لایا ہوں۔ تمہارا سوٹ ساتھ لے گیا تھا۔ یہ کپڑے اس ناپ کے خریدے ہیں۔ ان میں سے ایک ڈریس ابھی پہن لو، ارے بابا دیکھ کیا رہی ہو۔ کیا پسند نہیں آئیں تم کو یہ چیزیں؟'' اس نے اسے حیران اور خاموش کھڑے دیکھا تو سنجیدہ ہو کر پوچھا۔

''یہ چیزیں آپ لائے ہیں، تو ہمیں کیوں پسند نہیں آئیں گی۔ سب بہت اچھی ہیں۔''

''آپ نے تو بہت خرچہ کر دیا ہم پر۔'' وہ اسے خاموشی سے دیکھتا رہا تو اس نے کہا۔

''تمہارے چاچے مامے نے تمہاری کتنی قیمت وصول کی تھی؟''

''بیس پچیس ہزار روپے، مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

''اگر مجھے کوئی تمہارے بدلے میں بیس یا پچیس ارب روپے بھی دے نا تو بھی میں اس کے

بدلے میں اسے تمہاری پلکوں کا ایک بال، تمہارے ناخن کا ذرہ بھی نہیں دوں گا اور تم اس خرچے کی بات کر رہی ہو۔ پگلی! تم بیوی ہو میری، میں تمہارے لیے یہ سب نہیں خریدوں گا، میں تم پر خرچ نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا، ہاں بولو۔"

"کیا بولیں ہم؟" وہ اس کے گھٹنے پر سر رکھ کر خوشی سے بھیگتی آواز میں بولی۔ "آپ نے تو ہم کو خرید لیا ہے سالار، ہمیں ڈر لگتا ہے کہ کہیں آپ کے گھر والے ہمیں ٹھکرا نہ دیں، اگر انہوں نے ہمیں قبول نہیں کیا تو..... ہم کہاں جائیں گے؟"

"چاندنی! پلیز مت سوچو ابھی تم یہ باتیں، میں اماں اور بابا سائیں کو سمجھا لوں گا۔ وہ ملک سے باہر ہیں، آئیں گے تو میں خط میں ساری تفصیل لکھ دوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ میری بات سمجھ جائیں گے۔" اس نے اس کے بالوں کو چھیڑتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"اور اگر وہ آپ کی بات نہ سمجھے تو....."

"اتنے ناسمجھ تو نہیں ہیں وہ۔" وہ مذاق سے بولا۔

"سالار! آپ ہم سے ایک وعدہ کریں گے۔" وہ ان کا ہاتھ تھام کر بولی۔

"ہاں کہو۔"

"اگر آپ کے گھر والوں نے ہمیں قبول نہ کیا تو آپ ہمیں طلاق مت دینا، ہم آپ سے کچھ نہیں مانگیں گے، آپ ہم کو اپنی باندی بنا کر رکھ لینا۔"

"بے وقوف لڑکی! تم بیوی ہو میری، میں تمہیں بیوی بنا کر ہی رکھوں گا، باندی بنانے کا تو میں سوچ بھی نہیں سکتا، میں تو خود اپنے ماحول کی غلط رسموں کو ختم کرنے کے لیے برسوں سے کوشش کر رہا ہوں، بھلا خود ان کا حصہ کیسے بن سکتا ہوں۔"

"مگر آپ ہماری زندگی کا حصہ تو بن چکے ہیں، اب ہم آپ کے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔" گل چاندنی نے اس کے چہرے کو آنسوؤں بھری آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہاں کون کمبخت تمہارے بغیر جینا چاہتا ہے میری زندگی۔" سالار خان نے محبت سے اٹھا کر

اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا۔ ''ان سمندری آنکھوں میں ہر لمحے آنسوؤں کی طغیانی مت کھینچ لایا کرو، میرا دل ڈوبنے لگتا ہے۔''

''سوری۔'' اس نے معصومیت سے پلکیں جھپکیں تو وہ ہنس پڑا۔

''آپ منہ ہاتھ دھولیں، میں کھانا لگاتی ہوں۔''

''یہ تم ہم، ہم کو، میں، مجھے ..... میں سے کسی ایک لائن پر نہیں سکتیں۔'' وہ شوخی سے بولا۔

''ہم کوشش تو کرتے ہیں مگر سب مکس ہو جاتا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''تمہارا یہ مکس اپ طرز گفتگو بھی خوب ہے۔'' وہ چاہت سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''شکریہ، اب آپ منہ ہاتھ دھولیں میں نے آپ کی پسندیدہ ڈشز بنائی ہیں۔''

''یعنی .....'' چکن کڑاہی اور مرغ تنجن۔'' وہ خیالوں میں کھانے کا مزہ لیتے ہوئے بولا۔

''جی ہاں، آپ کا جواب درست ہوا۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''انعام میں کیا ملے گا؟'' وہ شرارت سے اس پر جھکا۔

''چکن کڑاہی اور مرغ تنجن۔'' وہ پیچھے کھسکتے ہوئے بولی تو اس نے اس کا بازو پکڑ لیا اور شرارت سے بولا۔

''بس اور .....''

''اوں ..... اور ڈھیر سارا پیار۔'' وہ شرمیلے پن سے بولی۔

''کس کا؟'' وہ شوخ ہوا جا رہا تھا۔

''آپ کو کس کا چاہیے؟'' اس نے اسے دیکھا۔

''مجھے تو اس کا چاہیے۔'' وہ اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا تو وہ شرما کر اس کی گرفت سے نکل بھاگی۔ اس نے بھرپور قہقہہ لگایا۔

☆ ..... ☆ ..... ☆

وہاں ایک ماہ کے قیام کے بعد وہ اسلام آباد مری اور پتریانہ ہنی مون منانے گئے۔ مری میں

انہوں نے کئی درختوں پر اپنے نام کندہ کیے۔ اچانک ہی ایک درخت کی چھال چاقو سے کاٹتے سالار خان کا ہاتھ زخمی ہو گیا، ہتھیلی سے خون بہہ نکلا۔

''سالار.....'' گل چاندنی نے تڑپ کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور اپنے دوپٹے کے کنارے سے خون صاف کرنے لگی۔ آنسو ٹپک ٹپک کر رخساروں پر پھسلنے لگے۔

''چاندنی! ہا ہا، اتنی سی چوٹ پر تم رونے لگیں، بہار بنو بابا، تم و پہاڑوں کی بیٹی ہو، پہاڑ جیسا مضبوط دل بناؤ۔ چپ ہو جاؤ، کچھ نہیں ہوا، معمولی سا زخم ہے، ایک دو دن میں بھر جائے گا۔'' وہ اسے نرمی سے محبت سے سمجھا رہا تھا۔

''یہ زخم آپ کو میرا نام لکھتے ہوئے آیا ہے۔'' وہ بھیگتی آواز میں بولی۔

''میں بھی تو چاقو سے تمہارا نام لکھ رہا تھا نا، حالانکہ تمہارا نام تو پھولوں سے لکھنے کے لائق ہے، اس گستاخی کی سزا تو ملنی تھی نا۔'' وہ اسے بہلانے کے لیے ہنس کر شوخی سے بولا تو وہ اس کے شانے پر سر رکھ کر باقاعدہ رونے لگی۔

''افوہ! چاندنی دیکھو بابا، لوگ کیا سوچیں گے۔ رونا بند کرو بابا۔'' وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولا۔ ''خیر لوگ بھی کچھ خاص نہیں سوچیں گے۔ ایک لمبے چوڑے آدمی کے ساتھ ایک چھوٹی سی دھان پان لڑکی کو دیکھ کر اسے کم از کم بیوی تو نہیں سمجھیں گے۔''

''تو کیا سمجھیں گے؟'' اس نے ایک دم سے روتے روتے سر اٹھا کر اس کے چہرے کو دیکھا۔

''بے بی۔'' وہ مسکرایا تو اسے روتے روتے ہنسی آ گئی۔

''تم ہنستی اچھی لگی ہو، رویا نہ کرو۔ تم روتی ہو تو ایسا لگتا ہے جیسے پوری کائنات رو رہی ہے۔'' اس نے محبت سے اس کے دوپٹے سے ہی اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''اور جب میں ہنستی ہوں تو کیسی لگتی ہوں؟'' وہ دوپٹے کی پٹی اس کے ہاتھ پر باندھتے ہوئے بولی۔

''تم ہنستی ہو تو لگتا ہے جیسے ساری کائنات مسکرا رہی ہے، ہر طرف پھول کھل رہے ہیں۔'' سالار خان نے والہانہ پن سے کہا۔ وہ ہنستی چلی گئی۔

سالار خان نے ہنی مون کی ڈھیروں تصاویر کھنچوائیں اور خود بھی کھینچیں۔ تمام تصاویر بہت شاندار Develope ہو کر آئی تھیں۔ سالار خان نے اس کے لیے سونے کا لاکٹ خریدا جس پر "مائی لو" لکھا ہوا تھا اور دو سونے کے کڑے اس کی نازک گدری کلائی میں پہنا دیئے۔ اور اس کی کلائی تھام کر بولا۔

"کاش! میں تیرے حسین ہاتھ کا کنگن ہوتا۔"

"بس....." گل چاندنی نے فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "آئے مت سنایئے گا، ہمیں شرم آتی ہے۔"

"اُف یہ شرم وحیا تو تمہارے مغرب نما حسن کو چار چاند لگا دیتی ہے۔" وہ ہنس کر اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔ "میں نے امریکہ میں بھی سینکڑوں نیلی آنکھیں اور گوری رنگت والی لڑکیاں دیکھی ہیں مگر جو حسن، جو حیا تمہاری نیلی نیلی آنکھوں میں ہے، جو پاکیزگی جو معصومیت اور سادگی تمہارے انداز اور اطوار میں ہے وہ وہاں کہیں نہیں دیکھی۔ تمہاری پاکیزگی، معصومیت، حیا اور محبت کا بے ساختہ پن تمہیں سب سے منفرد اور حسین بنا دیتا ہے اور چاندنی یہ لاکٹ یہ کنگن میری محبت کی پہلی پہلی نشانیاں ہیں، انہیں بہت سنبھال کر رکھنا اور ہمیشہ پہنے رکھنا۔"

"جو حکم سالارِ من۔" گل چاندنی نے شوخی سے کہا تو وہ محظوظ ہو کر ہنس دیا۔

اس نے اقتدار خان کو گل چاندنی سے اپنی ملاقات اور شادی کا احوال خط میں لکھ کر خط پوسٹ کر دیا۔ انہیں دو ماہ ہو گئے تھے اس رشتے میں بندھے۔ آج وہ اسلام آباد سے واپس کراچی جا رہے تھے۔ سالار خان نے گل چاندنی کو بہت ساری شاپنگ کرائی تھی۔ اس کے منع کرنے کے باوجود اسے بہت سے ملبوسات، گرم شال، کوٹ وغیرہ خرید دیئے تھے۔

"بہت فضول خرچ ہیں آپ۔" گل چاندنی نے پیار سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"محبت کے معاملے۔" وہ شرارت سے بولا تو وہ شرما کر ہنس پڑی۔

"چاندنی! یہ ہمارے نکاح نامے کی فوٹو کاپیاں ہیں اور یہ میرے شناختی کارڈ کی ایک درجن فوٹو کاپیاں ہیں۔ یہ تم سنبھال کر اپنے پاس رکھ لو۔" سالار خان نے گیسٹ ہاؤس سے نکلنے سے پہلے اسے

لفافہ تھماتے ہوئے کہا۔

''یہ آپ مجھے کیوں دے رہے ہیں؟'' اس نے لفافہ لے کر حیرانگی سے پوچھا۔

''احتیاطاً دے رہا ہوں، ہوسکتا ہے کبھی تمہیں ان کی ضرورت پڑ جائے۔'' وہ سوٹ کیس اٹھاتے ہوئے بولا تو اس نے تذبذب کے عالم میں اسے دیکھا اور لفافہ اپنے بیگ میں رکھ کر اس کے ساتھ باہر آ گئی۔ واپسی پر حضرت امام بریؒ کے مزار پر حاضری دینے گئے اور سالار خان نے گل چاندنی کے ہاتھ سے فقیروں میں رقم تقسیم کرائی اور دونوں اپنی جیپ میں آ بیٹھے۔

''چاندنی! تم نے کیا دعا مانگی ہے؟'' سالار خان نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میں نے دعا مانگی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان پیارے اور نیک بزرگ کے صدقے میں اپنے حبیب ﷺ کے صدقے میں میرا اور سالار کا شادی کا یہ بندھن آخری دم تک برقرار رکھے۔''

''آمین۔'' سالار خان نے دل سے کہا۔

''اور آپ نے کیا دعا مانگی ہے؟''

''میں نے بھی یہی دعا مانگی ہے۔'' سالار خان نے بھی سچ سچ بتایا تو وہ محبت اور مسرت سے مسکرا دی۔

سالار خان تھکن سے چُور ہو چکا تھا۔ مسلسل ڈرائیونگ نے اسے تھکا دیا تھا۔ وہ گاؤں جانے کے بجائے شہر والے بنگلے پر آ گیا تھا۔

اس وسیع و عریض خوب صورت بنگلے کو دیکھ کر گل چاندنی دنگ رہ گئی۔ وہ دولت اور امارت سے مرعوب ہونے والی لڑکی نہیں تھی مگر اسے حیرت اور خوشی تھی کہ اس کا شوہر ایک بڑے گھرانے کا معزز شخص ہے۔ ملازموں نے ان کا سامان اندر پہنچا دیا۔ وہ اسے اپنے بیڈ روم سے لے آیا۔ بیڈ روم بھی قیمتی سامان سے مزین تھا۔ وہ کچھ گھبرا رہی تھی۔ سالار خان کے گھر والے کسی فنکشن میں شرکت کے لیے گئے ہوئے تھے۔ گل چاندنی کی گھبراہٹ ان سے ملنے کے بعد ہی کم، ختم یا بڑھ سکتی تھی۔ سالار خان نے اسے تسلی دی۔ دونوں نے نہا کر کپڑے تبدیل کیے، اکٹھے ڈنر کیا اور عشاء کی نماز ادا کر کے سو گئے۔ تھکن کی وجہ سے انہیں بستر پر لیٹتے ہی گہری نیند نے آ لیا تھا۔

صبح ناشتہ ان دونوں نے اپنے بیڈ روم میں ہی کیا تھا کیونکہ باقی لوگ اس وقت نیند سے بیدار نہیں ہوئے تھے۔ آدھے گھنٹے بعد سالار خان کا بلاوا آ گیا۔

''سالار.....'' گل چاندنی نے پریشان اور خوفزدہ ہو کر اس کا بازو پکڑ لیا۔

''ڈرو نہیں، میں بابا سائیں کو سمجھا لوں گا اور میں نے کوئی جرم تو نہیں کیا نا، شاباش آرام سے بیٹھو، میں ان سے بات کر کے آتا ہوں، پھر تمہیں ان سے ملواؤں گا۔'' سالار خان نے اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے نرمی سے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ پریشانی کے عالم میں کمرے میں ٹہلنے لگی۔ آدھا گھنٹہ گزر گیا۔ سالار خان آیا نہ ہی اسے کوئی بلانے آیا۔ البتہ سالار خان کی بڑی بہن سائرہ باجی کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ سہمی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

''السلام علیکم۔'' گل چاندنی نے ہمت کر کے انہیں سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔ ماشاء اللہ چشم بدور، بھئی تم تو شہزادیوں سے بھی زیادہ حسین ہو۔'' سائرہ باجی نے اسے گلے لگا کر پیار کرتے ہوئے کہا تو جہاں وہ شرما گئی وہاں اسے ان کے مثبت رویے سے حوصلہ بھی ملا۔

''آپ سائرہ باجی ہیں ناں۔'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔ سالار خان نے اسے سب کے متعلق بتا دیا تھا۔

''ہاں میں تمہارے سالار خان کی بڑی بہن سائرہ ہوں۔ میرا بھائی بہت حساس اور مخلص انسان ہے۔ اس نے تم سے جو نیکی کی ہے وہ اس کے لیے مشکلات کا باعث بن گئی ہے۔'' سائرہ باجی نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہم سمجھے نہیں۔'' اس کا دل خوفزدہ ہو کر دھڑکا اور وہ پریشانی سے بولی۔

''دراصل ہم لوگ خاندان سے باہر شادی نہیں کرتے۔ سالار خان ہمیشہ سے پرانی اور فضول رسموں کے خلاف رہا ہے۔ اب غیر ارادی طور پر اس نے تم سے شادی کر کے خاندانی روایت کو توڑا ہے جس سے خاندان والے خاص کر ہمارے بزرگ بہت ناراض ہیں۔ سالار کی شادی میری نند سلینہ سے

طے کردی ہے۔ بابا سائیں نے اسے اس لیے نہیں بتایا تھا کہ وہ سیر کر کے لوٹے گا تو آرام سے بتا دیں گے مگر وہ سیر کر کے لوٹا ہے تو تم اس کی بیوی کی حیثیت سے اس کے ساتھ آئی ہو۔ مجھے محسوس ہوا ہے کہ سالار تمہارے ساتھ بہت خوش ہے، بہت چاہتا ہے وہ تمہیں لیکن ہمارے بڑوں نے اسے الجھن میں ڈال دیا ہے۔'' سائرہ باجی بولتے بولتے خاموش ہوگئیں۔

''کیسی الجھن؟'' اس نے بے چین ہوکر پوچھا۔

''یہ تم سالار سے پوچھ لینا، اپنے دل کو مضبوط بنالو کیونکہ اس خاندان کے لوگ تمہیں قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور اکیلا سالار خان انہیں ان کے فیصلے سے دستبردار ہوجانے پر آمادہ اور مجبور نہیں کر سکتا۔'' سائرہ باجی نے سنجیدہ لہجے میں کہا اور اسے پریشانیوں کی زد میں چھوڑ کر چلی گئیں۔

''یا اللہ! میرا سہاگ سلامت رکھنا۔ سالار خان سے میرا رشتہ جوڑے رکھنا۔'' گل چاندنی نے روتے ہوئے ہاتھ پھیلا کر دعا مانگی۔

دو گھنٹے بعد سالار خان کمرے میں آیا تو اس کے چہرے سے پریشانی، دکھ اور ملال کے تاثرات عیاں ہو رہے تھے۔ اس نے حسرت اور محبت بھری نگاہ گل چاندنی پر ڈالی اور تھکے تھکے انداز میں صوفے پر ڈھے گیا۔ اس کی حالت اور خاموشی گل چاندنی کو کسی سنگین خطرے سے آگاہ کر رہی تھی۔

وہ جذبہ جسے لوگ محبت کا نام دیتے ہیں، رنگ و خوشبو میں گندھا ایک معطر معطر سا احساس اس کے اندر جگا دیا تھا۔ اور اسے ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ جیسے وہ اوپر ہی اوپر روئی کے گالوں جیسے بادلوں میں اڑتا جا رہا ہے۔ یا گلاب و موتیے کی نرم پتیوں میں دھنستا چلا رہا ہو، یوں کہ پور پور میں خوشبو رچ جائے۔ جیسے ٹھنڈا دینے والے یخ برفانی موسم میں دھوپ کی نرم و مہربان کرنیں اس پر حاوی ہوجائیں یا گرما کی تیز چلچلاتی دھوپ میں ابر کا کوئی ٹکڑا اس کے سر پر آن ٹھہرا ہو۔ یہ سارے احساسات اسے گل چاندنی کی محبت نے دیئے تھے۔

اس کی دوری کے خیال سے سالار خان کا دل تڑپ کر چیخ اٹھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اس کی جانب بڑھا دیئے۔ گل چاندنی دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اس کے قریب آئی اور اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے۔ جنہیں سالار خان نے اپنے مضبوط ہاتھوں میں چھپا لیا۔

وہ گھٹنوں کے بل کارپٹ پر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس کی نیلی نیلی آنکھوں میں آنسوؤں کی لہریں امڈی چلی آرہی تھیں۔ ہزاروں سوال مچل رہے تھے۔

''کیا کہا انہوں نے؟'' گل چاندنی نے ڈرتے ڈرتے لرزتی آواز میں پوچھا۔

''یہی کہ..... میں تمہیں..... طلاق دے دوں۔'' وہ ٹوٹتے لہجے میں بولا تو اس پر جیسے بجلی گر گئی جس نے اس کے نازک دل کو جلا کر راکھ کر دیا۔ آنسو خود بخود پلکوں کی سرحد عبور کرتے چلے گئے۔

''سالار! آپ ''ہمیں اپنی نوکرانی..... بنا کر رکھ لیں۔ ہم آپ سے کبھی کچھ نہیں کہیں گے..... کچھ نہیں مانگیں گے'' بس ہم سے اپنے نام کا سہارا مت چھینیں۔ ہم مر جائیں گے سالار..... ہم کدھر جائیں گے، سہارا کون ہے ہمارا آپ کے سوا۔ ہمیں کون..... اتنی عزت اور محبت دے گا..... کون پناہ دے گا ہم کو..... خدا کے لیے ہم کو طلاق مت دیں..... ہم آپ کے نام کے سوا آپ سے کچھ نہیں مانگتے۔ ہمیں اپنے نام سے جڑا رہنے دیں۔ ہمارا نام اپنے نام سے جڑا رہنے دیں اور ہم کچھ نہیں مانگتے۔'' گل چاندنی نے سسکیاں لے لے کر روتے ہوئے اٹک اٹک کر فریاد کی۔

وہ جو بہت مضبوط دل گردے کا مالک تھا رونے کو بزدلی اور کمزوری کی علامت سمجھا کرتا تھا۔ گل چاندنی کے، اپنی محبت اور زندگی کے آنسو سہ نہ سکا اور اسے اپنے سینے سے لگا کر خود بھی بے قابو ہو کر رو پڑا اور روتے ہوئے بے بسی سے بولا۔

''میں بہت..... مشکل میں پھنس گیا ہوں چاندنی، بابا سائیں کا حکم ہے کہ میں تمہیں اپنی زندگی سے نکال دوں..... اس لیے کہ وہ اپنی جائیداد غیر خاندان میں جاتے نہیں دیکھنا چاہتے۔ اس لیے کہ انہیں اپنے خاندان سے اپنی جائیداد کا وارث چاہیے۔ اس لیے کہ تم بے سہارا، غریب ہو، اس لیے کہ وہ میری شادی سفینہ سے کرنا چاہتے ہیں تاکہ سائرہ باجی کو طلاق نہ ہو اور نہ ہی سفینہ کے حصے کی جائیداد کسی غیر خاندان کے آدمی کو مل سکے۔ یہ سارا جائیداد اور جاگیر کا چکر ہے۔ سائرہ باجی کی ساس جو میری خالہ بھی ہیں اور چچی بھی، وہ سفینہ سے شادی نہ کرنے کے جرم میں سائرہ باجی کو طلاق دلوا دیں گی اور یہی نہیں..... اگر میں نے تمہارا ساتھ اپنائے رکھا تو..... دو خاندانوں میں دشمنی کھڑی ہو جائے گی۔ دو

بھائیوں، دو بہنوں میں نفرت کی دیواریں اٹھ کھڑی ہوں گی۔ سائرہ باجی کا گھر اجڑ جائے گا۔ ان کے تینوں بچے بکھر جائیں گے۔ ذلت اور رسوائی الگ ہوگی۔ بابا سائیں نے مجھ سے پوچھے بغیر سفینہ سے میرا رشتہ طے کر دیا ہے۔ اب وہ سفینہ سے میری شادی کرانا چاہتے ہیں۔"

"تو..... آپ..... کرلیں..... سفینہ سے شادی۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"اور تم..... تمہیں چھوڑ دوں..... اپنی خوشیوں سے اپنی محبت سے منہ موڑ لوں۔"

وہ اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھر کر بھیگتی آواز میں بولی۔ "ہمارا کیا ہے سالار؟..... ہم تو پہلے بھی اکیلے تھے اب بھی جی لیں گے..... آپ کی یادوں کے سہارے بس ہم کو طلاق مت دینا..... ہم نہیں چاہتے کہ ہماری وجہ سے آپ کی بہن کا گھر اجڑے۔ ان کے بچوں کا..... مستقبل خراب ہو ہم تو ایک اکیلے ہیں جیسے تیسے جی لیں گے۔ مگر آپ کی بہن کا بسا بسایا گھر نہیں اجڑنا چاہیے۔ ان کے سر سے ماں اور باپ کی محبت اور شفقت کی چھت نہیں ہٹنی چاہیے۔ دو بھائیوں میں، بہنوں میں دشمنی اور نفرت نہیں ہونی چاہیے۔ ایک ہمارے نہ ہونے سے یا چلے جانے سے..... اگر دو گھروں کی خوشیاں بچ سکتی ہیں تو..... تو ہم..... ادھر سے چلے جائیں گے۔ ہماری وجہ سے آپ پر یا آپ کے..... خاندان پر کوئی آنچ آئے..... یہ ہم کبھی نہیں چاہیں گے..... ہم اپنی خوشیوں کے لیے..... اتنے بہت سارے دلوں کی..... خوشیاں..... نہیں چھین سکتے..... ہم ان کی بددعا سے ان کی آہ سے..... خوف آتا ہے سائیں۔"

"چاندنی۔" اس نے حیرت، فخر اور محبت سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ "تم کتنی بلند ہو، اتنی چھوٹی ہو کہ اتنی بڑی بڑی باتیں کر رہی ہو اور وہ اتنے بڑے ہو کر اتنی چھوٹی بات کر رہے ہیں۔ کیا ان کے دل کو سکون مل جائے گا۔ ان کو کسی کو آہ نہیں لگے گی۔"

"نہیں سائیں۔" وہ ہچکیاں لے لے کر روتے ہوئے بولی۔ "جو لوگ پیار کرتے ہیں ناں، وہ کسی کو بددعا نہیں دیتے۔ وہ تو سب کچھ سہہ لیتے ہیں۔ میری ماں کہتی تھی کہ پیار کی خاطر انسان..... ہر ظلم، ہر زیادتی، ہر ناانصافی اپنے جی جان پر جھیل لیتا ہے..... جیسے میری ماں نے میری خاطر میرے پیار میں میرے باپ کا ہر ظلم، اس کی ہر زیادتی اور ناانصافی برداشت کی تھی۔ پیار خواہ کسی سے بھی ہو سائیں،

پیار..... قربانی مانگتا ہے۔ ایک زندگی اگر دس زندگیاں بچا سکتی ہے تو کیا حرج ہے سائیں کے میری ایک زندگی..... ختم ہو جائے۔"

"چاندنی۔" وہ تڑپ کر بولا۔ "تم مجھے خود سے الگ سمجھتی ہو، میں بھی تو ختم ہو جاؤں گا۔ میرا دل بھی تو خون کے آنسو روئے گا۔"

"سائیں۔"

"نہ بابا، سائیں مت بولو مجھے۔" وہ اسے پیار سے ٹوک کر بولا۔

"آپ میرے سر کے سائیں تو ہیں ناں۔"

"ہاں ایک مجبور اور بے بس سائیں، بولو چاندنی، کیا کروں میں؟" وہ بے چینی سے بے بسی سے بولا۔ "یہ نہ تم کو ادھر رکھنے پر راضی ہیں، نہ میں تم کو یہاں سے لے کر جا سکتا ہوں۔ جاؤں گا تو سائرہ باجی کا گھر اجڑ جائے گا۔ دونوں خاندانوں میں دشمنی شروع ہو جائے گی۔ نہ تم کو رکھ کر بات بنتی ہے نہ چھوڑ کر جی سنبھلتا ہے..... ارے ایک سالار خان کرے تو کیا کرے..... تمہارا جانا بھی موت ہے، تمہارا یہاں رہنا بھی ان کے لیے انا کا مسئلہ..... ہم تو سقراط کی طرح زہر کا پیالہ بھی منہ کو نہیں لگا سکتے کہ خودکشی بھی حرام ہے۔ ایسی موت بھی عذاب ایسی جدائی بھی موت۔ ہم کریں تو کیا کریں؟"

"سالار! ہم دونوں کو اپنی محبت کی قربانی دینا ہوگی۔ آپ سفینہ سے شادی کر لیں۔ ہم یہاں سے چلے جائیں گے، آپ کو چھوڑ دیں گے۔" وہ بے قرار دل کو قابو کرتے ہوئے بمشکل بولی۔

"چاندنی! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"سالار! کبھی کبھی ایسا بھی کرنا پڑتا ہے۔ ہم جسے دل و جان سے چاہتے ہیں، اسے اس کی خاطر چھوڑنا پڑتا ہے۔ ہم آپ کی زندگی کی خاطر....." اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ اس کی ہچکی بندھ گئی۔

سالار نے تڑپ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا اور پرنم آواز میں بولا۔ "میں بابا سائیں سے دوبارہ بات کروں گا۔"

اور وہ تڑپ تڑپ کر ہچکیاں لے لے کر روئے چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

سالار خان باہر کسی کام سے گیا تھا کہ اس کے جاتے ہی اقتدار خان اور زرینہ خاتون نے اسے طلب کر لیا۔ وہ سہمی ہوئی کانپتی ہوئی ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''ہوں تو تم ہو وہ حور شمائل جس نے ہمارے بیٹے کو پھنسایا ہے اور اس کی بیوی ہونے کا دعویٰ ہے تمہیں۔'' اقتدار خان نے چبھتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ہمت کر کے بولی۔

''دعویٰ نہیں ہے سائیں، میں ہوں ان کی۔''

''بکو مت۔'' وہ غصے سے چلائے تو وہ پوری جان سے لرز اٹھی۔

''تم کیا سمجھتی ہو کہ ہم تمہیں دو ٹکے کی لڑکی کو ایک نشئی اور بے غیرت باپ کی بیٹی کو اپنی بہو تسلیم کر لیں گے۔ ارے تم کو تو تمہارے اپنے باپ نے قبول نہیں کیا۔ تمہارے چاچے ماموں نے تمہیں بیچ دیا۔ بھلا ہم تم جیسی لڑکی کو اپنی بہو کیوں مانیں گے، کیا ہے تمہارے پاس سوائے اچھی شکل کے۔ جس پر اتراتی تم سالار خان کے ساتھ یہاں چلی آئیں۔'' وہ سخت طنزیہ لہجے میں بول رہے تھے اور وہ شرمندگی سے احساس ذلت سے زمین میں گڑ گئی۔ آنکھیں دریا بن گئیں۔

''سائیں! آپ ہمیں بہو نہ سمجھیں، نوکرانی سمجھ کر اپنے پاس رکھ لیں۔'' اس نے روتے ہوئے کہا۔

''ہونہہ نوکرانی۔'' زرینہ خاتون نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''لڑکی! ہم اپنے نوکر، نوکرانی بھی اپنی رعایا میں سے منتخب کرتے ہیں۔ غیر علاقے، غیر نسل، غیر خاندان، غیر زبان کے تو ہم ملازم بھی رکھنا پسند نہیں کرتے۔ ادھر تو معاملہ ہی دوسرا ہے۔ سالار خان کی شادی سفینہ سے ہوگی، تم یہاں سے چپ چاپ چلتی بنو یہی بہتر ہوگا تمہارے لیے۔''

''مگر ہم کہاں جائیں گے سائیں؟'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''کہیں بھی چلی جاؤ، تم جیسی کو پالنے والے بہت مل جائیں گے۔'' اقتدار خان نے بھی انتہا کر دی۔ وہ احساس ذلت سے سلگ اٹھی۔

''سائیں! میں آپ کے بیٹے کی بیوی اور آپ کی بہو ہوں اس لیے ایسے الفاظ آپ کو زیب نہیں دیتے۔ میں عزت ہوں آپ کے گھر کی۔''

''شٹ اپ۔'' وہ غصے سے دھاڑے۔ ''ہونہہ عزت، کیا عزت ہے تمہاری، یہی کہ تم سالار خان کی بیوی ہو تو وہ تم اب نہیں رہو گی۔ عزت تو شرافت سے ہوتی ہے لڑکی خون اور خاندان سے ہوتی ہے۔ نہ تم ہمارا خون ہو نہ خاندان۔ تم فقط ایک بکاؤ مال ہو۔ بولو میرے بیٹے کو چھوڑنے کی کتنی قیمت وصول کرو گی۔ دو لاکھ، پانچ لاکھ یا دس بارہ لاکھ۔''

''بکاؤ مال تو آپ نے..... مجھے بولا ہے سائیں اور قیمت آپ اپنے بیٹے کی لگا رہے ہیں۔'' گل چاندنی نے سنجیدہ اور پُرنم لہجے میں کہا تو ایک لمحے کو وہ سٹپٹا گئے۔

''دیکھو تمہیں جو کچھ چاہیے وہ تم یہاں سے لے کر چلتی بنو ورنہ اپنی جان سے جاؤ گی کسی کو خبر بھی نہیں ہو گی کہ تمہاری ہڈیاں کس قبرستان میں دفن ہیں۔'' اقتدار خان نے انتہائی سفاک لہجے میں کہا۔

''مجھے صرف سالار خان چاہیے وہ آپ مجھے دے دیں میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔'' گل چاندنی نے ان کے جو کچھ کہنے کا ٹھیک ٹھاک جواب دیا ان دونوں نے گھور کر اسے دیکھا۔

''بہت چالاک ہو ہمیں ہمارے ہی لفظوں میں الجھا رہی ہو۔'' اقتدار خان نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا مگر وہ خاموش رہی۔

''میں ابرار کی طرف جا رہا ہوں تم اسے اچھی طرح سمجھا بھی دو اور کام پر بھی لگاؤ۔ ایک نشئی شخص کی لڑکی ہمارے محل جیسے گھر میں مزے سے رہ رہی ہے۔ اسے اس کی اوقات کے مطابق مقام اور کام دو۔'' اقتدار خان نے زرینہ خاتون سے کہا تھا اور دیکھ گل چاندنی کے چہرے کو رہے تھے۔ وہ باہر نکل گئے۔

زرینہ خاتون اس کی طرف گھومیں۔

''چلو جا کر پہلے تو سب گھر والوں کے میلے کپڑے دھوؤ جو بھرے پڑے ہیں مشین اور الماریوں میں۔ اس کے بعد سارے کپڑے استری کر کے رکھو۔ اور خبردار اگر کپڑے دھونے کے لیے واشنگ مشین استعمال کی۔ ہاتھوں سے دھونا ہیں کپڑے۔ سمجھیں۔'' زرینہ خاتون نے سخت لہجے میں کہا۔

''جی سمجھی۔'' وہ اپنے آنسو صاف کر کے بولی۔ اسے ان کے اس دوغلے پن پر ہنسی آ رہی تھی۔ کہاں تو وہ اپنی رعایا سے باہر نوکرانی نہ رکھنے کا اعلان کر رہی تھیں اور کہاں اسے فوراً کام پر لگا رہی تھیں۔

خاصے دو غلے اور دوہرے پن کا شکار نظر آ رہی تھیں وہ۔ اسے ایک سالار خان ہی خالص بندہ محسوس ہو رہا تھا اس گھر میں، اس کائنات میں۔

''السلام علیکم اماں۔'' اسی لمحے سالار خان نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا۔

''وعلیکم السلام۔ آ گئے بیٹا۔ بہت تھکے تھکے لگ رہے ہو۔'' زرینہ خاتون کا لہجہ ممتا لٹانے لگا۔ وہ گل چاندنی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''جی اماں، تھک گیا ہوں..... چاندنی! گرم پانی لا کر میرے پاؤں دھوؤ، بہت درد کر رہے ہیں۔ ڈرائیونگ کر کر کے دکھ گئے ہیں۔''

''جی وہ میں..... کپڑے۔'' وہ یہ کہتے ہوئے زرینہ خاتون کی طرف دیکھنے لگی تو وہ سخت لہجے میں بولیں۔

''بیوی ہونے کا دعویٰ ہے تو شوہر کا ذرا سا کام بھی نہیں ہوتا تم سے۔ چلو ٹب میں گرم پانی لاؤ۔''

''یہ کپڑوں کی..... کیا بات کر رہی تھیں تم؟'' سالار خان نے اس سے پوچھا۔

''کپڑے دھونے تھے، انہوں نے بولا ہے۔''

''میں جو تم سے کہہ رہا ہوں وہ کرو۔ باقی نوکر مر نہیں گئے۔ وہ دھو لیں گے کپڑے۔ جاؤ پانی لاؤ اور پہلے میرے جوتے اتارتی جاؤ۔'' سالار خان نے سخت لہجے میں کہا۔

جیسے اس کے دل پر قیامت ہی بیت گئی۔ اس نے بہت حیرت اور دکھ سے اسے دیکھا وہ کتنا اجنبی بیٹھا تھا۔ ایک اس کا ہی تو سہارا تھا اسے۔ اگر وہ بدل گیا تو وہ کس امید پر جیئے گی؟ اس نے پریشانی سے دکھ سے سوچتے ہوئے اس کے پاؤں سے جوتے اور جرابیں اتار دیں۔ زرینہ خاتون بہت بے رحمی سے مسکرا رہی تھیں۔ ان کے خیال میں سالار خان ان کی بات ماننے پر آمادہ ہو گیا ہے۔

''تم پاؤں دھلواؤ بیٹا، میں تمہارے لیے دودھ کا گلاس بھجواتی ہوں۔'' زرینہ خاتون نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر پیار سے کہا اور مسکراتی ہوئی چلی گئیں۔

وہ اٹھ کر لان سے منسلک برآمدے میں آ بیٹھا۔ گل چاندنی چھوٹے سے ٹب میں پانی ڈال کر

اسے ڈھونڈتی ہوئی وہاں پہنچی تو زرینہ خاتون کو بھی اس کے پاس موجود پایا۔ٹب اس نے اس کے پاؤں کے قریب رکھ دیا اور اس کے پاؤں اٹھا کر ٹب کے نیم گرم پانی میں رکھ کر کھڑی ہو گئی اور پُرنم اور پُرشکوہ آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

''اب کھڑی کھڑی میرا منہ کیا تک رہی ہو، ہاتھ دھو کر میرے کندھے دباؤ۔'' سالار خان نے اس قدر سخت اور سنجیدہ لہجے میں کہا کہ اسے اپنا دل ہواؤں کی زد میں اڑتا محسوس ہوا۔اس نے وہیں لگے واش بیسن سے ہاتھ دھوئے، تولیے خشک کیے اور اس کے پیچھے کھڑے ہو کر اس کے کندھے دبانے لگی۔ سالار خان کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ نرم نرم پھولوں میں دھنستا چلا جا رہا ہے۔زرینہ خاتون نے گل چاندنی کے ساتھ سالار خان کے اس سلوک پر خوشی سے اسے دیکھا اور مسکراتی وہاں سے اٹھ گئیں۔

سالار خان نے گل چاندنی کے ہاتھوں کو پکڑ کر اپنے ہونٹوں سے لگا لیے۔اس کے گلاب ہاتھوں میں اس کے ہونٹوں کی گرمی نے آگ لگا دی۔اس نے تیزی سے اپنے ہاتھ پیچھے کھینچ لیے۔اس کے ہونٹوں سے سسکی نکل گئی اور وہ حیران پریشان غمزدہ سی سالار خان کے اس پل پل بدلتے رویے کو محسوس کر رہی تھی مگر سمجھنے سے قاصر تھی۔

''اب کیا یونہی کھڑی رہو گی۔پاؤں دھوؤ۔'' وہ اسی سختی سے بولا۔

''سالار بیٹا! میں ذرا تمہارے ماموں کے گھر جا رہی ہوں۔تم بھی اسے اس کے گھر بھیجنے کا انتظام کرو۔'' زرینہ خاتون نے چلتے چلتے آ کر کہا اور واپس پلٹ گئیں۔

گل چاندنی نے اس کے پاؤں دھو جگر تولیے سے خشک کیے۔ٹب لے جا کر خالی کیا اور ہاتھ دھو کر آئی تو زرینہ خاتون پھر موجود تھیں۔

''میرے کپڑے استری کر دو جا کر۔'' سالار خان نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

''جی اچھا۔'' وہ دوڑتی ہوئی کمرے میں آ گئی۔اور استری لگاتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔وہ سالار خان کی قمیض پر استری پھیر رہی تھی۔جب وہ کمرے میں داخل ہوا۔وہ سیدھا اس کے پاس چلا آیا اور استری اس کے ہاتھ سے لے کر سائیڈ پر رکھی۔بٹن بند کر کے استری کا پلگ نکال دیا۔

وہ آنسو برساتی آنکھوں میں حیرت لیے اسے دیکھنے لگی۔ سالار خان نے اس کے گرد اپنا بازو حمائل کر کے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

اس کی آنکھوں میں شکوے، ناراضی، معصومیت، محبت، حیرت، سوال اور نجانے کتنے جذبے کتنے سوال بول رہے تھے۔ وہ بے قرار ہو کر اس کے آنسو پونچھنے لگا۔

''چاندنی! میں نے بابا سائیں اور اماں کی باتیں سن لی تھیں۔ انہوں نے جو کچھ تم سے کہا مجھے بہت دکھ پہنچا ہے مگر میں نہیں چاہتا کہ تم نوکرانی کی طرح ان سب کے میلے کپڑے دھوؤ۔ اس لیے میں نے تمہیں اس کام سے روکنے کے لیے ایسا رویہ اور لہجہ اختیار کیا تھا۔ میں تمہارا شوہر ہوں اور مجھے پتا ہے کہ تم میرا کام جی جان سے خوشی سے کرتی ہو۔ کرتی ہو نا۔'' اس نے محبت سے کہا۔

''ہاں..... آپ کا..... آپ کا ہر کام میں..... خوشی سے کرتی ہوں..... مگر آپ نے..... تو پہلی بار..... کوئی کام بولا تھا..... ہم سمجھے کہ آپ بھی.....''

''نہیں چاندنی!'' اس نے اس کی بات کاٹ کر محبت بھرے لہجے میں کہا۔ ''مجھ سے کبھی بھی بدگمان مت ہونا۔ میں تم سے بے وفائی کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ تم سے میں نے اپنے پاؤں دھلوائے صرف اماں کی وجہ سے ورنہ..... تم تو خود اس لائق ہو کہ تمہارے پاؤں دھو دھو کر پیئے جائیں۔''

''بس کریں سالار، ہمیں اتنا نازک اور اتنا انمول مت بنائیں کہ..... ہم اپنے کام کے قابل بھی نہ رہیں۔ یہ سچ ہے کہ جب تک ہماری ماں زندہ تھیں تب تک ہم نے کوئی کام نہیں کیا تھا۔ مگر اب تو ہمیں سب کام کرنے ہیں۔ سارے لوگ آپ جیسے خیال کرنے والے احساس کرنے والے تو نہیں ہیں ناں۔'' اس نے روتے ہوئے کہا تو اس نے سرد آہ بھری اور اسے بیڈ پر بٹھا دیا۔

''چاندنی! یہ دو لاکھ دس ہزار روپے ہیں۔ دو لاکھ روپے تمہارے حق مہر کے ہیں۔ یہ رکھ لو۔'' سالار خان نے ایک براؤن کلر کا ہینڈ بیگ اس کی گود میں رکھ کر کہا۔ ''یہ میری ذاتی محنت اور کمائی کی رقم ہے چاندنی! اب سوچتا ہوں کہ کاش میں زیادہ کمائے ہوتے تو تمہیں دے سکتا۔''

''ہم آپ کے بغیر ان نوٹوں کا کیا کریں گے؟'' وہ ہینڈ بیگ میں رقم کے لفافے دیکھ کر روتے

ہوئے بولی تو ایک ٹیس سی اس کے دل میں اٹھی۔

''رکھ لو چاندنی! تمہارے کام آئیں گے اور یہ تمہارا حق اور میرا مہر ہے جو میں تمہیں ادا کر رہا ہوں۔ پلیز سنبھالو انہیں۔'' وہ پُرنم آواز میں بولا۔

''کیا کیا سنبھالیں سائیں! آپ نے تو ہمیں مالا مال کر دیا ہے۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''چاندنی! سنبھالو خود کو۔ تم کو میری قسم۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر بے قراری سے بولا۔

''اتنی بڑی قسم..... تو نہ دیں سالار..... ہم تو..... پہلے آپ پر..... اپنی جان دینے کے لیے تیار ہیں۔'' وہ اس کے شانے پر سر رکھ کر بلک بلک کر رونے لگی۔

''نہ بابا نہ ہم کو تمہاری جان نہیں تمہاری آن چاہیے۔'' وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بھیگتی آواز میں اپنے مخصوص سندھی لہجے میں بولا۔

''چاندنی! بابا، اب تم کو اپنی آن آبرو کی خود حفاظت کرنا ہوگی۔ جیسے لوگوں سے بچنے کے لیے تم گھر سے نکلی تھیں۔ ویسے لوگوں سے تم کو محفوظ رہنا ہے۔ خود کو بچانا ہے۔ تم کہیں بچی چلی جاؤ گی میری چاندنی بن کر رہو گی۔ تم کو میری چاندنی کا ہر طرح سے خیال رکھنا ہے۔ اسے محفوظ رکھنا ہے۔ ان درندوں سے بچا کر رکھنا ہے۔ سمجھ رہی ہو نا میری بات۔''

''جی سائیں۔'' وہ ہچکی لے کر بولی۔ ''آپ نہ کہتے تو بھی ہم ایسا ہی کرتے۔''

''خوش رہو۔'' اس نے محبت سے اس کی نورانی پیشانی چوم لی۔ وہ اور بھی شدت سے رو دی۔ سالار خان کے لیے اسے سنبھالنا اپنے آنسوؤں پر قابو پانا بے حد مشکل ہو رہا تھا۔

''سالار سائیں! کیا ہم سچ مچ..... چلے جائیں گے آپ سے دور.....'' اس نے روتے ہوئے پوچھا۔

''مجبوری ہے چاندنی! میں نے چچا اور اسرار دادا سے بات کی ہے۔ وہ بھی نہیں مانتے حالانکہ سفینہ اپنے کلاس فیلو ریاض کو پسند کرتی تھی۔ سائرہ باجی نے مجھے بتایا ہے کہ ریاض کا رشتہ چچا سائیں نے رد کر دیا تھا اور اسے بے عزت کر کے گھر سے نکال دیا تھا کیونکہ آٹھ دس ہزار کی تنخواہ پر کام کرتا تھا۔ ان کی طرح جاگیردار نہیں تھا۔ یہ سارا چکر ہی جائیداد اور جائیر کا ہے ریاض اگر ان کی طرح کروڑ پتی ہوتا تو

خاندان نہیں دیکھنا تھا انہوں نے۔ جہاں اپنا فائدہ نظر نہ آئے وہاں یہ لوگ اپنی برسوں پرانی فرسودہ اور فضول ظالمانہ روایتوں کا سہارا لے لیتے ہیں۔ عمر کا فرق بھی کوئی معنی نہیں رکھتا ان کے نزدیک..... امینہ چچی چچا سائیں سے پورے سات سال بڑی ہیں۔ مگر جائیداد کی وجہ سے اپنے سے کم عمر آدمی سے بیاہ دی گئیں اور سفینہ بھی اسی لیے بیٹھی ہے اب تک کہ انہیں میرے وطن واپس آنے کا انتظار تھا۔'' وہ بھیگتی آواز میں بے بسی اور کرب سے بولا۔

''تو..... اب آپ..... سفینہ سے شادی کرلیں گے۔''

''پتا نہیں۔'' وہ بے بسی سے بولا۔ ''ایک بات مانو گی میری۔''

''آپ حکم کریں۔'' اس نے دل سے کہا۔

وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر نرمی سے بولا۔ ''چاندنی! اپنا یہ چاند چہرہ چھپا کر رکھنا، کسی کی نظر نہ پڑنے دینا اس چہرے پر۔ جیسے مجھے حجاب میں ملی تھیں یہاں سے جا کر ویسے ہی حجاب میں رہنا کیونکہ بے حجاب کرنے والے یہاں بہت ہیں۔ تم کو سب سے خود کو چھپا کر بچا کر جینا ہے۔''

''جی سالار! میں سمجھ رہی ہوں، میں صرف آپ کی امانت ہوں کسی اور کا سایہ بھی نہیں..... پڑنے دوں گی خود پر بس اپنا نام..... مجھ سے مت چھینئے گا۔''

گل چاندنی نے اس کی کلائیوں پر اپنے ہاتھ مضبوط کرتے ہوئے بھیگتے لہجے میں کہا۔

''میں نے تم سے ایک وعدہ کیا ہے اور یہ ایک مرد کا وعدہ ہے جو ضرور پورا ہوگا۔ بے فکر رہو۔'' وہ اس کے آنسو صاف کر کے بولا اور اٹھ کر جانے لگا تو اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

''اب کہاں جا سکتا ہوں میں۔'' اس نے اس کا گال تھپتھپایا۔ ''آتا ہوں، تم فریش ہو جاؤ۔''

اس کے جانے کے بعد اس نے ہینڈ بیگ اپنے سفری بیگ میں جگہ بنا کر رکھ دیا۔ اس نے تو ابھی اپنا سامان کھولا بھی نہیں تھا کہ اگلے سفر کا حکم صادر کر دیا گیا تھا۔ اس نے سالار خان کا براؤن کلر کا گرم شلوار سوٹ اس کے سوٹ کیس میں سے نکال لیا۔ یہ سوٹ اس نے اسی رات پہنا ہوا تھا جس رات وہ

اسے پہلی بار ملا تھا۔ یہ سوٹ اسے بہت عزیز تھا۔ سالار خان اس میں بہت وجیہہ دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے یہ سوٹ اپنے سفری بیگ میں رکھ لیا اور وہ تمام تصاویر بھی نکال لیں جو انہوں نے ہنی مون کے دروان کھینچی تھیں۔ ایک ایک تصویر اس کا دل چیرے جا رہی تھی۔ محبتوں کے یہ لمحے خواب کی مانند بکھر رہے تھے۔ جدائی، جان گسل محسوس ہو رہی تھی۔

''تو تم ہو گل چاندنی، واہ کیا ہاتھ مارا ہے سالار خان نے۔'' وہ تصویریں دیکھ رہی تھی کہ سفینہ بیڈ روم میں بڑے دھڑلے سے داخل ہوئی اور اسے دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں بولی۔

''آپ..... سفینہ ہیں۔'' گل چاندنی نے تصویریں لفافے میں رکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں اور تم اچھی طرح جانتی ہو کہ تم اس گھر میں نہیں رہ سکتیں۔ اس بیڈ روم میں تمہاری نہیں میری جگہ ہے۔'' وہ بہت ڈھٹائی سے بولی۔

''آپ کی جگہ تو مسٹر ریاض کے دل میں ہونی چاہیے یا ان کے بیڈ روم میں۔'' گل چاندنی نے بھی طنزیہ انداز اپناتے ہوئے کہا اور کھڑی ہو گئی۔

''شٹ اپ۔'' وہ غصے سے چیخی۔ ''تم..... تم کیسے جانتی ہو ریاض کو؟''

''اگر آپ میرے متعلق جانتی ہیں تو میں بھی آپ کے متعلق بہت کچھ جانتی ہوں۔'' گل چاندنی نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''آپ سے ریاض صاحب نے اس لیے کورٹ میرج نہیں کی تھی نا کہ آپ کے والد صاحب انہیں اور آپ کو قتل کروا دیتے۔''

''اب تمہارے ساتھ ایسا ہی ہوگا۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''جی نہیں۔'' گل چاندنی نے پُر یقین لہجے میں کہا۔

''کس بات کا مان ہے تمہیں اپنے حسن کا، اپنی ان داؤں سے ہی تم نے سالار خان کو پھنسایا ہوگا نا۔ خوب صورتی کا فائدہ خوب اٹھایا ہے تم نے۔''

''آپ تو وہ بھی نہیں اٹھا سکیں۔'' گل چاندنی نے اس کے دلکش میک اپ زدہ گندمی رنگت والے چہرے کو دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''اپنی حد میں رہ کر بات کرو۔'' وہ غصے سے بولی۔

''میں تو اپنی حد میں ہی ہوں مگر آپ اپنی حد سے بڑھ کر یہاں تک آئی ہیں۔ یہ میرا اور میرے شوہر کا بیڈ روم ہے۔ جہاں آپ کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ آپ کی حد اس بیڈ روم سے باہر ختم ہو جاتی ہے مس سفینہ۔'' گل چاندنی نے سنجیدہ لہجے میں کہا تو وہ کھوکھلا قہقہہ لگا کر طنزیہ لہجے میں بولی۔

''تم کیا سمجھتی ہو کہ سالار خان تمہارے ان نیلے نینوں یا چٹی چمڑی پر مرمٹا ہے۔ اس نے سات سال گزارے ہیں امریکہ میں اور اس کے اردگرد تم جیسی ہزاروں نیلی، چٹی لڑکیاں منڈلاتی پھرتی تھیں۔ سینکڑوں سے دوستی تھی اس کی، کیا خبر کسی سے شادی بھی کر رکھی ہو۔ وہ جاگیردار اور صنعت کار کا بیٹا ہے جہاں لوگ تین چار شادیاں کرنا اپنا مشغلہ سمجھتے ہیں۔ تم کس فریب میں مبتلا ہو۔ اس کی محبت کے فریب می تو یہ بھول ہے تمہاری۔ چند ماہ سے زیادہ اس کی زندگی میں کوئی لڑکی نہیں ٹھہر سکتی۔''

''تو پھر آپ کیوں ان سے شادی کے لیے تیار ہو گئی ہیں؟''

''یہ بڑوں کا فیصلہ ہے اور سالار خود بھی مجھے امریکہ سے عشقیہ خطوط لکھتا رہا ہے۔'' اس نے سٹپٹا کر فوراً جھوٹ گھڑتے ہوئے اپنی بات سنبھالی۔

''اب کہاں ہیں وہ عشقیہ خطوط؟''

''میں نے جلا دیئے تھے۔ انہیں سنبھال کر میں نے بدنام نہیں ہونا تھا مگر تم اچھی طرح سمجھ لو کہ تم سالار خان کے لیے مزید دو چار ماہ تک ایک گھسے پٹے سلیپر، بدبودار جراب، بے رنگ قمیض اور خالی بوتل سے زیادہ کچھ نہیں رہو گی۔ اس لیے یہاں سے چلی جاؤ، اس میں تمہاری بہتری ہے۔'' وہ طنز و تنفر بھرے لہجے میں بولی۔

''میری یا آپ کی بہتری۔'' گل چاندنی نے معنی خیز بات کہی۔ وہ نروس ہو گئی۔

''سمجھ دار ہو تو چلی کیوں نہیں جاتیں۔ کسی اور امیر زادے کو قابو کر لینا۔''

''آپ ایسا کیوں نہیں کر لیتیں؟'' گل چاندنی نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''تم۔'' اس نے غصے میں آ کر اس پر ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ سالار خان کا مضبوط ہاتھ اس کے ہاتھ کو

روک کر اسے بری طرح پزل کر گیا۔

''کیا سمجھ کر تم یہاں آئی ہو اور اس پر ہاتھ اٹھا رہی تھیں۔'' سالار خان نے اس کا ہاتھ زور سے جھٹک کر غصے سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ گل چاندنی سہم کر اس کے پیچھے چھپ گئی تھی۔

''کیا سمجھ کر تم اسے یہاں لائے ہو؟'' وہ الٹا اس سے پوچھنے لگی۔

''ہیرا سمجھ کر۔''

''اوہ، تو کیا یہ ہیرا تم ہیرا منڈی سے چرا کر لائے ہو؟''

''سفینہ۔'' سالار خان کا ہاتھ اس پر اٹھتے اٹھتے رہ گیا۔ اس کا خون کھول اٹھا۔ چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنکھوں میں شعلے لپکنے لگے۔ گل چاندنی ذلت سے پانی پانی ہو گئی۔ کتنی بڑی تہمت لگا دی تھی اس نے ان دونوں پر۔

''چلو سچ سچ بتا دو کہ اسے کس انگریز سے مانگ لائے ہو۔ ایسے نیلے گورے نمونے تو وہاں ہی ملتے ہیں ناں۔ ویسے بائی داوے تم نے اس سے شادی کی ہے یا.....'' سفینہ نے ہٹ دھرمی سے طنز سے کہا۔

''چلی جاؤ یہاں سے۔ اس سے پہلے کہ میں تمہیں شوٹ کر دوں۔ چلی جاؤ یہاں سے۔'' وہ غصے سے بے قابو ہوتے ہوئے بلند آواز میں بولا۔

''چلے جانے کے لیے تو تمہاری گل چاندنی آئی ہے۔ میں تو اسی بیڈ روم میں آؤں گی۔ یہاں سے میں نہیں جاؤں گی تمہاری چاندنی جائے گی۔''

''چاندنی یہاں سے جا کر بھی میری رہے گی۔'' وہ پُر اعتماد لہجے میں بولا۔

''میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ تم اسے طلاق دے کر یہاں سے رخصت کرو گے۔ یہ میرا دعویٰ ہے اور میرا نام بھی سفینہ ہے سفینہ۔'' وہ تنک کر سفاکی سے بولی۔

''ہاں، ڈوبتا سفینہ۔'' سالار خان نے طنزیہ لہجے میں کہا تو وہ اسے غصے سے گھورتی ہوئی تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ دروازہ اتنے زور سے بند کیا کہ گل چاندنی کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ سہم کر اس سے لپٹ گئی۔

''چاندنی! تم پہاڑوں کی بیٹی ہو۔ پہاڑ کی طرح مضبوط بن جاؤ اور پریشان مت ہو، میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔ خواہ کچھ بھی ہو جائے اور اگر مجھے مجبور کیا گیا تو خدا کرے کہ اسی لمحے میری زبان گنگ ہو جائے۔ میرے ہاتھ فالج زدہ ہو جائیں اور.....''

''نہیں پلیز۔'' گل چاندنی نے تڑپ کر اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا جو اس نے تھام کر چوم لیا۔

''ہم ایسا تو نہیں چاہتے۔ اللہ آپ کو صحت مند اور سلامت رکھے۔ ہمارے لیے یہ اطمینان بھی بہت ہوگا۔'' اس نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر روتے ہوئے کہا۔

''اور میں کیا کروں گا؟'' وہ اس کی محبت پر نثار ہوتے ہوئے پُرنم لہجے میں بولا۔

''سفینہ سے شادی۔'' اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تو اس کی بے کلی اور بڑھ گئی۔

''یہ میرے کپڑے تم نے اپنے بیگ میں کیوں رکھ لیے؟''

اس کی نظر بیگ سے جھانکتے اپنے سوٹ پر پڑی تو حیران ہو کر پوچھا۔

''آپ کو تو ہم اپنے ساتھ..... نہیں لے جا سکتے۔ آپ کے کپڑے تو لے جا سکتے ہیں نا۔ ان میں ہمیں آپ کی خوشبو..... محسوس ہوگی۔ آپ کے لمس کا احساس ان میں شامل ہے۔ آپ کی..... خوشبو ان میں بسی ہے..... یہ تو ہمیں لے جانے دیں۔''

گل چاندنی نے اس کے سوٹ کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگا کر روتے ہوئے کہا تو وہ انگاروں پر لوٹنے لگا۔ دل اور روح تڑپ تڑپ کر چیخ چیخ کر اس سے دوری پر احتجاج کرنے لگے۔

''اور یہ تصویریں۔'' سالار خان نے تصویروں والا لفافہ اٹھا کر اس کے چہرے کو دیکھا۔

''یہ اچھے لمحوں کی یادگار ہیں۔ پلیز مجھے دے دیں۔'' اس نے سوٹ رکھ کر لفافے پر ہاتھ رکھا۔

''رکھ لو مگر نیگیٹو مجھے دے دو۔ مجھے بھی تو ان لمحوں سے پیار ہے۔'' سالار خان نے بہت محبت سے کہا اور لفافے میں سے نیگیٹو Nagative نکال کر تصویریں اسے دے دیں۔

اس نے وہ لفافہ سفری بیگ میں رکھ لیا۔ ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ وہ رو رو کر ہلکان ہو رہی تھی۔ سالار خان نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ خود اس کی آنکھیں بھی آنسوؤں کے خزانے لٹا رہی

تھیں۔ وہ دونوں ہی غم کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ سراپا اشک تھے۔ سالار خان تو اس وقت کی ایک ایک ساعت اس کی قربت اور محبت میں گزارنا چاہتا تھا۔ اس پر اپنی محبتوں کے خزانے لٹانے میں وہ بہت بے قراری، بے تابی اور بے خودی سے کام لے رہا تھا۔ اس کے والہانہ انداز نے گل چاندنی کو بھی بے کل اور پاگل کر دیا۔ ان محبتوں کی جدائی کا تصور اسے مارے ڈال رہا تھا۔ وہ بکھر بکھر کر رو رہی تھی اور وہ اسے سمیٹ رہا تھا۔

تیرا ملنا تو خواب لگتا ہے
یوں بچھڑنا عذاب لگتا ہے
آنکھیں تیری سمندروں جیسی
چہرہ ماہ تاب لگتا ہے
تیری باتوں سے پھول جھڑتے ہیں
تیرا ہنسنا رباب لگتا ہے
تیرے دم سے ہے زندگی میں خوشی
بن تیرے سب خراب لگتا ہے
کیسے جیوں گا بن تیرے جاناں
یہ تصور ہی عذاب لگتا ہے

وہ روتے روتے ہچکیاں لیتے لیتے اس کی بانہوں میں ہی سو گئی تھی۔

سالار خان اس کے چہرے کو دیکھے جا رہا تھا جو بہت معصوم تھا۔ وہ خود بھی معصوم بچے کی طرح دکھائی دے رہی تھی اور وہ یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ وہ کہاں جائے گی؟ کون اسے سہارا دے گا؟ کس کے پاس رہے گی؟ کون اسے سنبھالے گا؟ وہ کیسے بچے گی شیطان صفت لوگوں سے، ان کی ہوس زدہ نظروں سے؟ اسے تو شہر کے راستوں تک کا علم نہیں ہے۔ اتنی کم عمر اور معصوم ہے وہ کیسے جئے تنہا اس بے ایمان معاشرے میں، اس خوف زدہ ماحول میں، ہوس پرستوں کی اس سوسائٹی میں؟ کون پناہ دے گا اسے؟

''یا اللہ! اگر یہ ہماری محبت کا امتحان ہے تو ہمیں اس امتحان میں سرخرو کرنا۔ گل چاندنی کی عزت و آبرو کی حفاظت اب صرف تو ہی کر سکتا ہے۔ یہ بہت معصوم ہے پروردگار، تو اپنے معصوم بندوں کے طفیل اس معصوم لڑکی کو اپنی رحمت میں اپنی پناہ میں رکھنا۔ اسے اپنی پناہ میں رکھنا۔۔''

سالار خان نے تہجد کی نماز ادا کر کے رو رو کر دعا مانگی۔

☆.....☆.....☆

صبح وہ نہا کر تیار ہو گئی تھی مگر اس کی طبیعت خراب ہو رہی تھی۔ ناشتہ کرنے کو بھی جی نہیں چاہ رہا تھا۔ سر الگ بھاری بھاری محسوس ہو رہا تھا۔ دل کو دھڑکا سا لگا تھا کہ کب اس کی دربدری کے احکامات پر عمل کرایا جاتا ہے۔

''چاندنی! پلیز ناشتہ تو کر لو، تم نے رات بھی کھانا نہیں کھایا تھا۔'' سالار خان نے محبت اور منت بھرے لہجے میں کہا۔

''ہمارا دل نہیں چاہ رہا۔'' وہ کمزوری سی آواز میں بولی۔

''اچھا کم از کم یہ دودھ تو پی لو۔'' سالار خان نے دودھ کا گلاس اس کے سامنے کیا۔

''نہیں۔''

''چاندنی! میری خاطر۔'' سالار خان نے محبت سے کہا۔

ناچار اس نے اس کے ہاتھ سے ہی چند گھونٹ دودھ پینے کے بعد بس کہہ دیا..... اسے دودھ کا ذائقہ بہت کڑوا محسوس ہو رہا تھا۔ سالار خان بہت دکھ سے اسے دیکھ رہا تھا۔ دو دنوں میں اس کی کیا حالت ہوئی تھی مگر وہ بھی تو اپنی جگہ بے بس اور مجبور تھا۔ اسے ماں نے اپنا دودھ نہ بخشنے کی دھمکی دی تھی۔ باپ نے جائیداد سے عاق کر دینے اور گل چاندنی کو موت کے گھاٹ اتار دینے کی سنگین دھمکی دی تھی۔ بہنوئی اور چچا چچی نے سائرہ باجی کو میکے بھیج دینے کا نشتر چلایا تھا۔ وہ کرتا تو کیا کرتا۔ گل چاندنی سے جدائی بھی اسے موت محسوس ہو رہی تھی اور خود سے موت کو گلے لگا کر بھی ابدی اذیت کا سامنا کرنا تھا۔ وہ نہ جی سکتا تھا نہ مر سکتا تھا۔ بس صبر کے گھونٹ ہی بھر سکتا تھا۔ ان سب کی خود غرضیوں کے سامنے اسے تو خدا

سے بھی شکوہ کرنے کا حوصلہ نہ رہا کہ جب خون کے رشتوں نے ہی اس کی محبت کا خون کر دیا تھا تو خدا سے کیسا گلہ۔ خدا نے اسے محبت کی نعمت سے نوازا تھا۔ اب اس کی قدر کرنا اس کی حفاظت کرنا اس کا کام تھا جو وہ باوجود لاکھ چاہنے کے نہیں کر سکتا تھا۔ اسے اپنی بے بسی اور بے چارگی پر ٹوٹ کر رونا آیا۔

ان دونوں کو ڈرائنگ روم میں طلب کر لیا گیا جہاں دونوں گھرانوں کے سب افراد موجود تھے۔ ساتھ ہی گل چاندنی کو اپنا سامان لانے کا حکم بھی دیا گیا تھا۔ جو ایک سوٹ کیس اور سفری بیگ پر مشتمل تھا۔ سالار خان اس کا سامان اٹھا کر لایا تھا۔ وہ گل چاندنی سے بہت شرمندہ تھا کہ اس کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اسے جی بھر کے دیکھنا چاہتا تھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں وہ اس پر نثار ہو رہا تھا۔ گل چاندنی بھیگتی آنکھوں سے سب کو دیکھ رہی تھی۔

''لڑکی! یہ بیس ہزار روپے ہیں۔ یہ اٹھاؤ اور یہاں سے جاؤ۔''

اقتدار خان نے نوٹوں کی گڈی گل چاندنی کے بیگ پر پھینک کر کہا تو اس نے بہت کرب سے سالار خان کی طرف دیکھا، وہ شرمندہ ہو گیا۔ اتنی رقم تو اس کے چاچا اور ماموں اس کی وصول کر رہے تھے اور اس کے باپ نے اس کی اتنی قیمت لگائی تھی۔

''سالار خان! یہ طلاق کے کاغذ ہیں، ان پر تین حرف لکھو اور اپنے دستخط کر کے یہ کاغذ اس لڑکی کے حوالے کر دو۔''

اقتدار خان نے اسٹامپ پیپر سالار خان کے سامنے رکھ کر سنگدلی سے کہا۔

''نہیں بابا سائیں! میں چاندنی کو طلاق نہیں دوں گا۔'' وہ چیخ اٹھا۔

''تو میں سائرہ کو طلاق دے دوں گا۔'' اسرار خان نے اسے بلیک میل کرتے ہوئے بڑی بے رحمی سے کہا۔ ''اس کاغذ پر یا تو تم تین حرف لکھ دو ورنہ مجھے یہ کام کرنا ہوگا۔ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔''

سالار خان نے بے بسی اور دکھ سے سائرہ باجی کی طرف دیکھا جو اسے منت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں اور دوسری طرف اس کی گل چاندنی کھڑی آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے اس کا وعدہ یاد دلا رہی تھی۔ وہ شش و پنج میں پڑ گیا۔ دل ڈوبنے لگا کسے بچائے، دونوں طرف اس کی عزیز ترین ہستیاں

موجود تھیں۔

''سائیں! مجھے طلاق نہ دلوائیں۔ سائیں میں یہاں سے چلی جاؤں گی دوبارہ ادھر کا رخ بھی نہیں کروں گی سائیں۔'' گل چاندنی نے اقتدار خان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر روتے ہوئے کہا تو وہ سخت لہجے میں بولے۔

''جب تک تمہارے نام کے ساتھ سالار خان کا نام لگا رہے گا تم ادھر کا رخ کرنے کا سوچو گی۔ جب ادھر آنا ہی نہیں ہے تو نام کا کیا کرو گی۔ جاؤ جا کر الگ زندگی شروع کرو۔ ہمارے بیٹے کی جان چھوڑ دو۔''

''بابا سائیں، چچا سائید، ادا، کچھ تو خیال کریں یہ آپ کا کیا بگاڑ لے گی۔ اسے ایسے ہی جانے دیں میں اسے طلاق نہیں دوں گا۔'' سالار خان نے اٹل لہجے میں کہا تو اقتدار خان غصے سے بولے۔

''تم اسے طلاق نہیں دو گے تو میں اسے تمہارے سامنے گولی مار دوں گا۔''

''بابا.....سائیں۔'' سالار خان کی روح کانپ اٹھی۔ ''آپ ایسا نہیں کر سکتے۔''

''سالار خان! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں ایسا کر سکتا ہوں۔ میں تمہیں بھی لوگی مار سکتا ہوں۔'' اقتدار خان نے جلال سے کہا۔

''نہیں سائیں، ایسا نہیں کر سکتے آپ۔ یہ آپ کا خون ہے، بیٹا ہے آپ کا۔ آپ اتنے ظالم باپ نہیں ہو سکتے۔'' گل چاندنی نے تڑپ کر بے قرار ہو کر کہا۔

''لڑکی! ہم اپنی آن اور زبان کی خاطر کچھ بھی کر سکتے ہیں۔''

''تو آپ مجھے گولی مار دیں سائیں، سالار خان کو کچھ مت بولیں۔''

''چاندنی!'' سالار خان نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

''ہاں سائیں، یہ سارا جھگڑا ہماری وجہ سے ہے۔ آپ ہمیں مار دیں یہ جھگڑا خود بخود ختم ہو جائے گا۔'' گل چاندنی نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''بابا سائیں!'' سالار خان نے احتجاج کیا۔ ''اس کی پاکیزگی اور معصومیت کی گواہی تو فرشتے بھی دیں گے۔ آپ اسے ایسا مت کہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ میں اسے ایسا ویسا کچھ نہیں کہتا۔ تم اس کاغذ پر تین لفظ لکھو اور دستخط کرو اور کاغذ اس کے ہاتھ میں تھما کر اسے یہاں سے چلتا کرو۔'' اقتدار خان نے صوفے پر بیٹھ کر اطمینان سے کہا تو سالار خان نے ایک نگاہ گل چاندنی کی زرد ہوتی صورت پر ڈالی اور کاغذ اٹھا لیا۔

''قلم دے دیں۔'' سالار خان نے اقتدار خان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''لو۔'' اقتدار خان نے مسکراتے ہوئے قلم اس کی طرف بڑھایا۔

سب مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ کیسی فاتحانہ مسکراہٹ تھی ان سب کے چہروں پر سوائے گل چاندنی کے جو اپنے دل اور منہ پر ہاتھ رکھے اپنے پر ٹوٹنے والی قیامت کی منتظر کھڑی تھی۔ سالار خان نے اس کے چہرے کو محبت بھری نظروں سے دیکھا اور کاغذ پر کانپتے ہاتھ سے چند حرف تحریر کرنے کے بعد کاغذ گل چاندنی کے ہاتھوں میں دے دیا۔

''سالار..... سالار۔'' گل چاندنی نے تحریر پڑھی اور کاغذ اپنے سینے سے لگا کر چیخ چیخ کر رونے لگی۔

سالار خان کی آنکھیں بھی چھلک پڑیں۔ اس نے قلم اقتدار خان کی طرف بڑھا دیا اور رخ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ گل چاندنی کی سسکیاں اور چیخیں اس کے دل و روح میں چھید کرتی جا رہی تھیں۔

''یہ رقم بھی لیتی جاؤ۔'' اقتدار خان نے بیس ہزار کی گڈی اس کی طرف بڑھائی جو اس نے میز پر رکھ دی تھی۔ اس نے ان کی طرف دیکھا اور سنجیدہ لہجے میں بولی۔

''یہ رقم آپ کسی ضرورت مند کو دے دیجیے۔''

''تم سے زیادہ ضرورت مند کون ہو سکتا ہے۔ یتیم، مسکین بھی ہو اس صدقے اور خیرات کی مستحق بھی ہو۔'' اقتدار خان نے تکبر اور تحقیر سے لبریز لہجے میں کہا۔

''خدا مجھے جیسوں کو آپ جیسوں کے صدقے اور خیرات سے محفوظ رکھے۔'' گل چاندنی نے سنجیدگی سے کہا۔

اپنا سوٹ کیس اور سفری بیگ گھسیٹتی ہوئی باہر نکل آئی اور آنسو برساتی نگاہیں اٹھا کر سالار خان کے کمرے کی جانب دیکھا تو اسے دریچے میں کھڑے پایا۔ وہ رو رہا تھا، بے بسی سے اسے جاتا دیکھ رہا

تھا۔اس کے دیکھنے پر اس نے اپنا ہاتھ ہلا کر اسے الوداع کہا تو گل چاندنی نے اپنی چادر کا کونہ منہ میں ٹھونس لیا تا کہ اس کی درد بھری چیخیں کسی کے کانوں تک نہ پہنچ سکیں۔اس نے اپنے آنسو صاف کر کے سن گلاسز لگائے اور چہرہ نقاب میں چھپا لیا۔

سوٹ کیس جو سالار خان کی خریدی ہوئی چیزوں سے بھرا ہوا تھا اور اس نے کمرے سے نکلتے وقت زبردستی اس کے ساتھ کر دیا تھا خاصا بھاری تھا اور اس میں اب کچھ بھی اٹھانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔وہ سوٹ کیس اور بیگ کی ڈوریاں کھینچتی ہوئی اقتدار پیلس کی حدود سے باہر نکل آئی۔

اس نے ایک گہری سانس لی اور دھوپ میں چلتے ہوئے اسے احساس ہو گیا تھا کہ اب اسے اپنے لیے سایہ خود تلاش کرنا ہے۔کہاں، اسے نہیں معلوم تھا۔بس وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر ریلوے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گئی۔اور سالار خان اس کے جانے کے بعد اپنے کمرے میں بند ہو گیا اور بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

☆.....☆.....☆

ریل گاڑی کی چھک چھک میں مسافروں کی آوازیں جن میں ہنسنے بولنے، بچوں کے رونے کا شور بھی شامل تھا۔گل چاندنی کھڑکی کی جانب اپنا سامان سنبھالے بیٹھی تھی۔اس کی حالت مزید بگڑ رہی تھی۔سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ریل گاڑی کا سفر اس نے پہلی بار شروع کیا تھا۔اسے گاڑی کی آواز اور گاڑی کا ماحول بہت عجیب اور ناخوشگوار محسوس ہو رہا تھا اور سب سے بڑھ کر وہ جس دکھ، کرب اور اذیت سے گزر رہی تھی۔اس نے اس کا حال بے حال کر دیا تھا۔وہ بے آواز دبی دبی سسکیوں سے رو رہی تھی۔سب سے بے تعلق وہ اپنے غم میں سوگ منا رہی تھی۔اپنے سالار خان سے بچھڑنے کا ماتم کر رہی تھی۔تقدیر کی اس ستم ظریفی پر نوحہ کناں تھی۔سوچوں، آنسوؤں اور دکھوں کی شدت نے سفر کی تھکان نے اسے نڈھال کر دیا اور وہ آس پاس سے بے خبر، ہوش و خرد کی دنیا سے دور گہری نیند میں چلی گئی۔

گل چاندنی چلی گئی تھی۔سالار خان کی خوشی چلی گئی تھی۔اس کی زندگی چلی گئی تھی۔کائنات بے رنگ، بے کیف ہو گئی تھی لیکن صرف سالار خان کے لیے.....آج اسے جدا ہوئے پورا ایک ہفتہ ہو گیا تھا

اور یہ ایک ہفتہ سالار خان نے اس کے ہجر میں اس کی معصوم محبت کو یاد کرتے، روتے، تڑپتے اور بخار میں س لگتے بڑی اذیت میں گزارا تھا۔

ادھر اقتدار خان نے سفینہ کے ساتھ ٹھیک پندرہ دن بعد اس کی شادی طے کر دی تھی۔ اسے پتا چلا تو وہ دکھ اور ملال سے چیخ اٹھا۔

''کیوں کر رہے ہیں آپ لوگ مجھ پر یہ ظلم؟''

''ماں باپ کبھی پانی اولاد پر ظلم نہیں کرتے سالار خان۔'' اقتدار خان نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''اچھا کون سے اور کس قسم کے ماں باپ؟'' وہ زخمی لہجے میں بولا۔

''سالار خان! تم ایک معمولی سی دو ٹکے کی لڑکی کی وجہ سے ہمیں الزام دے رہے ہو۔ تم کچھ بھی کہہ لو، ہم نے تمہاری شادی سفینہ سے طے کر دی ہے۔ خود کو مرد کا بچہ ثابت کرو، یوں عورتوں کی طرح منہ سر لپیٹے تکیہ میں سر دیئے آنسو بہانا اور آہیں بھرنا بند کرو۔ بھول جاؤ چاندنی بیگم کو۔'' اقتدار خان نے سخت لہجے میں کہا۔

''بھول جاؤں؟'' وہ بے قرار ہو کر بولا۔

''وہ انسان ہے کوئی کرنسی نوٹ نہیں کہ جنہیں خرچ کر کے بھلا دیا جائے۔ انسان بھلائے نہیں جا سکتے بابا سائیں۔''

''کچھ بھی ہو سالار خان، تمہیں اس لڑکی کو بھولنا ہوگا۔'' زرینہ خاتون نے کہا۔

''اتنی جلدی اماں اتنی جلدی تو چٹانیں پگھلی ہوئی برفوں، شاخیں گرے ہوئے پتوں اور تنکے ٹوٹے ہوئے گھونسلوں کو نہیں بھولتے۔ اتنی آسانی سے تو زمین پچھلے سال کی بارش اور اس سے پچھلے برس کے سیلاب بھی فراموش نہیں کرتی، اتنی سہولت سے تو کاج اپنے ٹوٹے ہوئے بٹنوں کو بھی نہیں بھولتے۔ اتنی بے مروتی سے تو کپڑا استری کی حرارت نہیں چھوڑتا، زبان چکھے ہوئے ذائقے کو ہیں بھولتی اتنی آسانی سے تو ٹوٹے ہوئے گلاس اور کارنس سے گرے ہوئے گلدان بھی نہیں بھلائے جاتے جتنی آسانی، جتنی بے مروتی، جتنی سہولت سے آپ ایک جیتی جاگتی لڑکی کو، ایک انسان کو بھلانے کی فرمائش

کر رہے ہیں۔ وہ انسان جو لڑکی جو میرے جسم و جان کا میرے دل و روح کا حصہ بن چکی ہے۔ آپ اسے بھلا دینے کا حکم صادر کر رہے ہیں، نہیں اماں بابا سائیں، اتنا آسان تو نہیں ہے اسے بھلا دینا۔"

سالار خان نے بہت دل گیر اور بے قرار لہجے میں کہا تو چند لمحے وہ دونوں خاموش رہے۔

"سالار بیٹے! تم نے اپنی بہن کا گھر بچانے کے لیے دو گھروں کی خوشیاں بچانے کے لیے یہ قربانی دی ہے۔ تو بیٹا اب اپنی بات آخر تک نبھانے کا حوصلہ بھی پیدا کرو اپنے اندر۔ سفینہ اچھی لڑکی ہے۔ تم سے تین برس بڑی ہے مگر دیکھو دکھنے میں تم سے تین برس چھوٹی لگتی ہے۔ اب تک وہ تمہارے انتظار میں کنواری بیٹھی ہے لاکھوں کی جائیداد کی مالک ہے اور....."

"بس اماں۔" سالار خان نے زرینہ خاتون کی بات کاٹ کر کہا۔ "ساری بات ہی اسی جائیداد کی ہے ورنہ ریاض میں کیا کمی تھی۔ اس سے سفینہ کی شادی کر دی ہوتی تو وہ بھی اب تک دو تین بچوں کی ماں ہوتی۔ آپ لوگوں نے فضول روایتوں کا سہارا لے کر نجانے کتنے دلوں کا خون کیا ہے۔ اتنا پڑھ لکھ کر اسمبلی تک پہنچ کر بھی آپ لوگ ان روایتوں پر عمل کر رہے ہیں جن کی ہمارے مذہب میں سرے سے کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ مذہب جائیداد سے نہیں اچھے اخلاق اور کردار سے رشتہ جوڑنے کی تعلیم دیتا ہے۔ یورپ اور امریکہ کی سیر کر لینے سے بھی آپ لوگوں کے مزاج میں کوئی فرق نہیں آیا۔ یہ سب اپنے مفاد کی گیم ہے بابا سائیں! جس میں آپ نجانے کس کس کے دل سے کھیل رہے ہیں۔ کھیلیں، اللہ تو سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ اللہ کو غرور اور تکبر سخت ناپسند ہے۔ آپ نے چاندنی کے ساتھ جو سلوک کیا ہے وہ انتہائی قابلِ اعتراض تھا مگر میں چپ رہا، خاموش رہا کہ آپ میرے بزرگ ہیں مگر بابا سائیں! وہ جو سب کا سائیں ہے وہ جو سب سے بزرگ و برتر ہے۔ اس کی لاٹھی بے آواز ہے۔"

"سالار خان!" اقتدار خان غصے میں چلائے۔ "تم ہمیں سبق مت پڑھاؤ، تعلیم نے تمہارے دماغ میں کچھ زیادہ ہی خرافات بھر دی ہیں۔ ہم نے تمہیں یورپ اور امریکہ میں اس لیے تعلیم نہیں دلوائی کہ تم ہمارے ہی سامنے اپنی علمی قابلیت کا رعب جھاڑنے لگو۔"

"آئی ایم سوری بابا سائیں، میرے کہنے کا مطلب....."

''تمہارے کہنے کا مطلب جو بھی تھا اس سے ہمیں مطلب نہیں ہے۔تم صرف اتنا یاد رکھو کہ ٹھیک پندرہ دن بعد سفینہ سے تمہاری شادی ہو رہی ہے،بس۔'' اقتدار خان نے اس کی بات کاٹ کر سخت اور اٹل لہجے میں اپنا فیصلہ سنا دیا اور زرینہ خاتون کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئے۔

☆.....☆.....☆

اور وہ ان سارے لوگوں کے سامنے بے بس ہو گیا اور سفینہ سے شادی کے بندھن میں بندھ گیا۔ سفینہ کو گل چاندنی کی جگہ دیکھنا اس کے لیے سوہان روح تھا۔وہ کمرے کے باہر ٹہل رہا تھا۔زرینہ خاتون اسے سفینہ کی رونمائی میں دینے کے لیے ایک سونے کا قیمتی سیٹ دے گئی تھیں کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ سالار خان نے اس شادی کا خود سے دل سے کوئی اہتمام نہیں کیا تھا۔اور یہ سچ بھی تھا کہ وہ تو روبوٹ کی طرح ان کے حکم پر عمل کر رہا تھا۔دل تو اس کا گل چاندنی اپنے ساتھ ہی لے گئی تھی۔

''مجھے معاف کر دینا گل چاندنی،میں مرد ہو کر بھی بہت مجبور کر دیا گیا ہوں۔تمہارے دل کا حال مجھ سے پوشیدہ تو نہیں ہے۔یہ آزمائش ہم دونوں پر آئی ہے۔دل ہم دونوں کے دکھ سے بھرے ہیں۔'' سالار خان نے اسے اپنے دل میں مخاطب کر کے کہا اور بوجھل قدموں سے چلتا اپنے بیڈ روم میں آ گیا جہاں سفینہ دلہن بنی بیٹھی اس کی منتظر تھی۔

اس کی آنکھوں میں اسے دیکھ کر گل چاندنی کی صورت آ سمائی۔دل دکھ سے رونے لگا۔

آزمانا پڑتا ہے
دل دکھانا پڑتا ہے
کیسے کیسے پیاروں کو
بھول جانا پڑتا ہے
زخم زخم ہو کر بھی
مسکرانا پڑتا ہے
کیی کیسی چیزوں سے

دل لگانا پڑتا ہے
دل کا کھیل مت کھیلو
غم اٹھانا پڑتا ہے
دشمن کی خدمت میں
آنا جانا پڑتا ہے
دل کی راہ میں خالد
اک زمانہ پڑتا ہے

سالار خان کو سفینہ کی گل چاندنی سے بدسلوکی یاد آ رہی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ جو رشتہ دل سے قبول نہ کیا جائے، جو تعلق دل قبول نہ کرے کیا وہ جائز ہے؟

سفینہ نے اس کے بیڈ روم میں جگہ بنا لینے کا دعویٰ کیا تھا اور آج ایسا ہو بھی گیا مگر کیا وہ اس کے دل میں جگہ بنا سکے گی۔ وہ جگہ جو اس رشتے کا حق ہے وہ جگہ جو اس کے دل میں گل چاندنی کے لیے مخصوص ہے؟

''نہیں۔'' اس کے دل و دماغ نے ایک ساتھ کہا۔

سفینہ دلہن بن کر بے حد حسین لگ رہی تھی۔ شہر کی بہترین بیوٹیشن نے اسے تیار کیا تھا۔ آج کل کے فیشن نے گھونگھٹ نکالنے کی رسم ہی ختم کر دی تھی۔ سالار خان کو اس کا چہرہ بنا گھونگھٹ اٹھائے ہی دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آسمانی دوپٹے میں چھپا ماہ نور چہرہ یاد آنے لگا جو سادگی میں بھی اس کا دل جیت گیا تھا۔ گل چاندنی کے چہرے سے گھونگھٹ اٹھائے ہوئے اس کے احساسات کتنے لطیف تھے۔ اس معصوم حسن کو دیکھ کر وہ کتنا حیران ہوا تھا۔ کیسے اس پر نثار ہوا تھا اور اب سفینہ اس کے سامنے تھی۔ وہ تھکے تھکے انداز میں اس کے سامنے آ بیٹھا۔ وہ جو پانی پی کر گلاس رکھ رہی تھی ایک نگاہ اس کے دلکش و جیہہ سراپے پر ڈال کر لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ سجائے نظریں جھکا گئی۔

سالار خان کو اس کی مسکراہٹ میں اپنی شکست کا احساس شدت سے ہونے لگا۔ کہاں گل چاندنی نے رونمائی سے پہلے کھانا کھانا مناسب نہیں سمجھا تھا اور کہاں سفینہ بہت آرام سے پانی پی کر اسے دیکھ کر

مسکرا رہی تھی۔ وہ غیر شعوری طور پر اس کا موازنہ گل چاندنی سے کر رہا تھا جو اس کے نزدیک حیا اور وفا کا دلکش اور معصوم پیکر تھی۔ سراپا مہر و محبت تھی۔

''سفینہ بیگم! ہماری شادی جس طرح اور جن حالات میں ہوئی ہے یہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔ خدا اور رسول ﷺ کو گواہ بنا کر جو رشتہ میرا تمہارے ساتھ جوڑا گیا ہے میں پوری کوشش کروں گا کہ قرآن اور سنت کی روشنی میں اس رشتے کا حق ادا کر سکوں۔ میں اپنی ذمہ داری ہر طرح سے پوری کرنے کی کوشش کروں گا پھر بھی اگر کہیں کبھی کوئی کمی یا کوتاہی رہ جائے تو تم یہ سوچ کر نظر انداز کر دینا کہ بہر حال میں ایک انسان ہوں۔ وہ انسان جو غلطی اور غفلت کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ یہ تمہاری رونمائی کا تحفہ ہے۔ یقیناً تمہیں پسند آئے گا۔'' سالار خان نے سنجیدہ اور مدھم لہجے میں کہا اور جیولری کا مخملی ڈبہ اس کے ہاتھوں میں تھما دیا۔

''یہ..... یہ تو آنٹی نے خریدا تھا۔'' سفینہ نے ڈبہ کھول کر دیکھا اور ناگواری سے بولی۔

''تمہارے لیے ہی خریدا تھا۔'' وہ نرمی سے بولا۔

''مجھے رونمائی میں دیا جانے والا تحفہ آپ کو خریدنا چاہیے تھا۔'' وہ ڈبہ ایک طرف رکھ کر بولی۔

اس نے سادگی سے پوچھا۔ ''کیوں؟''

''تم نہیں جانتے کہ کیوں؟'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

''نہیں اور نہ ہی جاننا چاہتا ہوں۔ میں نے تمہارا پچھلا رویہ بھلا دیا ہے اس لیے اب مزید کوئی غلط بات نہیں ہونی چاہیے۔'' سالار خان نے سنجیدہ لہجے میں کہا اور اٹھ کر ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔ وہ غصے سے تلملاتی رہی۔

☆.....☆.....☆

''سالار خان! تمہیں میں نے پایا ہے اب میں تمہیں کسی گل چاندنی کی چاہت میں کھوئے رہنے کی اجازت نہیں دوں گی۔'' ولیمے کی شب وہ اسے خاموش دیکھ کر غصے سے بولی۔

اس نے زخمی مسکراہٹ لبوں پر لاتے ہوئے کہا۔ ''میں نے تمہیں کب اجازت دی تھی کہ تم میری

چاہت میں کھو جاؤ۔"

وہ ایک لمحے کو لاجواب ہوگئی۔

اس نے اطمینان سے کہا۔"ہاں اور اب میں تمہاری محبت کا نتیجہ دیکھنا چاہتا ہوں۔اگر تمہاری محبت گل چاندنی کی محبت کی طرح سچی، خالص اور طاقتور ہوئی تو میں دل سے بھی تمہارا ہو جاؤں گا اور اگر نہیں تو گل چاندنی کا تو میں پہلے ہی ہو چکا ہوں۔ہاں تمہارے حقوق ادا کرتا رہوں گا تم اس کی فکر مت کرو۔"

"فکر کرتی ہے میری جوتی۔" وہ پاؤں پٹخ کر بولی۔

"تو تم میں فکر کرنے کی صلاحیت بھی موجود نہیں ہے۔" سالار خان کا دل تو چاہا کہ اسے کہہ دے مگر خاموش رہا کیونکہ اس کی عادت سے واقف تھا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اسے ہنی مون پر لے گیا۔اسلام آباد سے مری وہ انہی جگہوں پر سیر کر رہے تھے جہاں وہ چند دن پہلے گل چاندنی کے ساتھ آیا تھا اور کتنا خوش تھا۔چلتے چلتے وہ اس درخت کے قریب رک گیا جس پر اپنا اور گل چاندنی کا نام لکھتے ہوئے اس کا ہاتھ زخمی ہوگیا تھا۔درخت کی چھال کو کاٹ کر اس نے دل کی شکل بنائی تھی اور اس میں گل چاندنی سالار خان کندہ کیا تھا۔بہت سی خوشگوار یادیں اسے سوگوار کر گئیں۔اس کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔اس نے اپنے ہاتھ کو دیکھا اور سوچا چاندنی میرے ہاتھ کے زخم پر تم کیسے تڑپ تڑپ کر روئیں تھیں، تمہیں پتا ہے کہ اب یہ زخم میرے دل میں منتقل ہوگیا ہے اور بہت تکلیف دے رہا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ تم اب بھی رو رہی ہوگی۔میرے لیے تڑپ رہی ہوگی۔ہے نا چاندنی.....

"سالار!" سفینہ کی بلند آواز پر وہ چونک گیا اور سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"یہاں کیوں کھڑے ہو؟"

"یونہی۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا تو سفینہ کی نظر درخت پر لکھے اس کے اور گل چاندنی کے نام پر پڑی اور اس کا خون غصے سے کھول اٹھا اور طنزیہ لہجے میں بولی۔

"مجھے معلوم ہے۔"

''کیا معلوم ہے تمہیں؟''

''یہی کہ تم چاندنی میں ڈوبے ہوئے ہو۔'' اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''تو.....'' وہ افسردگی سے مسکراتے ہوئے بولا تو وہ شدید غصے میں آ گئی اور نجانے کہاں سے سبزی کاٹنے والی چھری لے آئی اور اس کے گل چاندنی کے نام پر رگڑنے لگی۔ گل چاندنی کا نام اس نے چھری سے کھرچ ڈالا۔ سالار اس کا یہ عمل دیکھتا رہا، مسکراتا رہا۔ وہ ہانپتی ہوئی اس کی طرف مڑی۔

''دیکھ لو میں نے گل چاندنی کا نام مٹا دیا ہے۔''

''درخت سے..... میرے دل سے نہیں۔'' وہ اطمینان سے مسکراتے ہوئے بولا۔

''دل سے بھی مٹا دوں گی۔'' وہ غصے سے بولی۔

''چھری تمہارے ہاتھ میں ہے مٹا سکتی ہو تو مٹا دو، کھرچ دو۔''

''سالار خان! تمہیں اسے بھولنا ہوگا کیونکہ اب وہ تمہاری گل چاندنی نہیں رہی۔''

''وہ میری تھی، میری ہے اور وہ کہیں چلی جائے ہمیشہ میری رہے گی۔'' سالار خان نے نہایت سنجیدہ اور مضبوط لہجے میں کہا تو وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

سالار خان نے اسے ہر جگہ کی سیر کرائی جہاں وہ جانا چاہتی تھی۔ اسے شاپنگ بھی کرائی۔ اس کی فرمائش پر وہ اسے پندرہ دن کے لیے فرانس بھی لے گیا۔ وہاں بھی اس نے ڈھیروں شاپنگ کی، اس دوران سفینہ نے جان بوجھ کر چاندنی کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ اپنا ہنی مون پیریڈ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ہنی مون سے واپسی پر اس نے بیوٹی پارلر کی چین کھولنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ سالار خان نے اسے سرمایہ اور جگہ مہیا کر کے اس کی یہ خواہش بھی پوری کر دی۔

وہ جو چاہتی وہ پورا کرتا کیونکہ انکار کی صورت میں وہ ہنگامہ کھڑا کر دیتی تھی اور ایسا سائرہ باجی کی ازدواجی زندگی کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا تھا اس لیے وہ چپ چاپ اس کی فرمائشیں اور خواہشیں پوری کرتا چلا جا رہا تھا اور ساتھ ہی اس نے اپنا الگ بزنس شروع کر دیا تھا۔

الگ زمین خرید کر اس پر چاول، گندم اور آلو کاشت کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس نے اپنے آپ

کو اس قدر مصروف کر لیا تھا کہ سوائے رات کو سونے کے اس کے پاس اپنے لیے بھی وقت نہیں بچتا تھا۔

سفینہ کی اپنی مصروفیات تھیں ۔ بیوٹی پارلرز کے علاوہ سوشل ورک کے نام پر وہ اپنے سرکل کی خواتین میں نمایاں رہنے کی کوشش کرتی تھی۔ جن کا اصل موضوع فیشن ہوتا تھا۔ نت نئے ملبوسات، جیولری، جوتے، ہیئر اسٹائل پر بحث ہوتی اور ایک دوسرے کی برائیاں پیٹھ پیچھے دھڑلے سے کی جاتیں۔ چھوٹے بڑے فنکشنز ارینج کیے جاتے۔ اس طرح وہ اپنا وقت اچھا گزارنے کا جتن کیا کرتی تھیں۔

☆.....☆.....☆

پتھر بنا دیا ہے مجھے رونے نہیں دیا
دامن بھی تیرے غم نے بھگونے نہیں دیا
ناصر یوں اس کی یاد چلی ہاتھ تھام کے
میلے میں اس جہان کے کھونے نہیں دیا

بظاہر سالار خان مطمئن اور پرسکون دکھائی دیتا تھا۔ سب لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ وہ گل چاندنی کو بھول گیا ہے۔ سفینہ بھی اس سے اپنی ہر بات منوا کر مسرور تھی کہ وہ اب صرف اس کا ہو گیا ہے۔ وہ تو اس رشتے کا اور بہت سی مجبوریوں کا حق ادا کر رہا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کے پرسکون وجود کے اندر کتنی بے سکونی، بے چینی اور بے قراری پھیلی ہوئی ہے۔ کسی کو احساس نہیں تھا کہ وہ اندر ہی اندر کس قدر ٹوٹ گیا ہے۔ اس کے دل میں ہر وقت درد بسا رہتا ہے۔ گل چاندنی اس کے دل سے اس کی یادوں سے ایک لمحے کے لیے بھی اوجھل نہیں ہو سکی تھی۔

وہ اندر ہی اندر اس کے ہجر میں ہر لمحے آنسو بہاتا ہے۔ اس کی جدائی اسے ہر پل موت کا مزا چکھاتی ہے۔ اس کے فراق نے اسے اندر ہی اندر مار دیا ہے۔

وہ سب تو اس سے اپنی باتیں منوا کر خوش تھے۔ اسے جھکا کر اسے گل چاندنی سے دستبردار کر کے فخر محسوس کر رہے تھے۔

رات کو جب وہ تھکن سے چُور ہو کر بستر پر لیٹتا تو بہت دکھ سے یہ بات سوچتا کہ کیا خون کے

رشتے، کیا محبت اور ممتا کے رشتے اتنے ہی خودغرض ہوتے ہیں کہ وہ اپنے پیاروں کو انہیں جن سے محبت کا انہیں دعویٰ ہوتا ہے انہیں محبت کے سہارے اپنی مرضی، اپنی خواہش اور اپنی غرض کی بات منوانے کا حق بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ نازک جذبوں اور احساسات کو بلیک میل کرتے ہیں۔ ہم اپنی محبت کی اتنی خودغرضانہ قیمت کیوں وصول کرتے ہیں حالانکہ محبت تو اپنی خوشی تج دینے، اپنی خواہش سے دستبردار ہو جانے، اپنی غرض کو پس پشت ڈال دینے کا نام ہے۔ جس سے محبت ہو اس کی خوشی، خواہش اور مرضی انسان کو محبوب ہونی چاہیے۔

مگر اس کے ساتھ تو الٹا ہی ہوا تھا۔ قربانی تو صرف اس نے دی تھی۔ محبت کا حق تو صرف اس نے ادا کیا تھا۔ اپنی خوشی، اپنی مرضی، اپنی خواہش اور اپنی محبت تک ان سب کی خواہش اور خوشی کے لیے تج دی تھی اور اپنی محبت کو بھی دکھی کر دیا تھا۔

وہ بہت دیر سے سویا تھا مگر اچانک ہی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس کا پورا وجود پسینے میں بھیگ رہا تھا۔ سانسوں میں صدیوں کے سفر کی تھکن سائیں سائیں کر رہی تھی۔ حلق خشک ہو رہا تھا۔ دل خوف اور بے چینی سے بے ترتیب ہو کر دھڑک رہا تھا۔ اسے کسی کی سسکیوں کی آواز، کسی کے رونے کی صدا آ رہی تھی اور اس کی تمام تر حسیات ''گل چاندنی''، ''گل چاندنی'' پکار رہی تھیں۔ وہ خود کو بہت کمزور اور بے بس محسوس کر رہا تھا۔

''گل چاندنی۔'' وہ بے قرار ہو کر با آواز بلند بولا تو اس کے برابر میں سوئی سفینہ کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے لیمپ آن کر دیا۔

''تم نے مجھ سے کچھ کہا ہے؟'' سفینہ نے جمائی لیتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔''

''تو پھر تم کسے پکار رہے ہو؟''

''چاندنی کو۔ وہ مجھے بلا رہی ہے۔ مجھے اس کی آواز آ رہی ہے۔ تمہیں آواز سنائی دے رہی ہے؟ وہ رو رہی ہے۔ وہ..... تکلیف میں ہے۔ کوئی اور بھی اس کے ساتھ رو رہا ہے۔'' وہ دیوانگی کے عالم میں

بول رہا تھا۔

''تمہارے علاوہ کون ہوگا۔ وہ کوئی اور نہیں تم ہی رو رہے ہو۔''

سفینہ غصے سے بولتی اٹھ بیٹھی تو وہ کھوئے کھوئے انداز میں بے چین لہجے میں بولا۔

''ہاں میں بھی رو رہا ہوں۔ میں تو کب سے رو رہا ہوں مگر یہ کوئی ہے۔ گل چاندنی کے ساتھ کوئی ہے جو رو رہا ہے۔ تمہیں اس کے رونے کی آواز نہیں آ رہی۔''

''نہیں۔ کیونکہ وہ میرے دل میں نہیں تمہارے دل میں بستی ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اب تک اس کے عشق کے سمندر میں غوطے کھا رہے ہو۔ اس نے تو جاتے ہی کوئی اور سالار خان ڈھونڈ لیا ہو گا اور اپنے حسن سے کسی اور کے.....''

''سفینہ۔'' وہ غصے سے چیخا۔ ''میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ گل چاندنی کے بارے میں کچھ مت کہنا۔ آئندہ اس کے متعلق کوئی بات مت کرنا۔''

''تو تم کیوں اس کی باتیں کر رہے ہو؟'' وہ غصے سے بولی۔

''مجھے اس کی بات کرنے کا حق ہے کیونکہ وہ میری ہے۔ وہ بہت معصوم اور پاکیزہ ہے۔ اس کے متعلق ایسی کوئی بات میں برداشت نہیں کر سکتا۔''

''میں جانتی ہوں برداشت تو تم مجھے کر رہے ہو۔'' وہ غصے سے بلند آواز میں چلائی۔

''سفینہ! میں نے تمہارے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کی۔ تمہارا شوہر ہونے کے ناطے تمہارا ہر طرح سے خیال رکھا ہے۔ رہی گل چاندنی تو وہ تم سے پہلے میری زندگی میں آئی تھی۔ بیوی تھی، محبت تھی میری۔ اور تم یہ بات اچھی طرح جانتی تھیں۔ اس لیے کہ اگر تم اس شادی پر راضی ہو گئیں تو اس میں میرا قصور نہیں تھا۔'' سالار خان نے سنجیدہ لہجے میں کہا اور بستر چھوڑ کر باہر آ گیا۔

جہاں چاندنی رات پھیلی تھی۔ وہ بے قراری سے اپنے دل کو سہلا رہا تھا۔ چاند پر اس کی آنسوؤں بھری نگاہیں ٹھہر گئیں۔ اسے لگا جیسے اسے اس کی گل چاندنی اپنی نیلگوں آنکھوں سے محبت اور حسرت سے دیکھ رہی ہے۔ اسے بلا رہی ہے۔ اس کے کانوں میں پھر سے رونے کی آوازیں گونجنے لگیں۔ جیسے کوئی بچہ

رور ہا ہو۔ جیسے اس کی چاندنی رو رہی ہو۔ جیسے پوری کائنات رو رو رہی ہو۔ وہ تڑپ گیا۔

''چاندنی! تم کہاں ہو، کیسی ہو، کیوں رو رہی ہو؟ تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا تم اپنا خیال رکھو گی۔ اپنا وعدہ بھول تو نہیں گئیں تم۔ چاندنی پلیز اپنا خیال رکھو۔ تمہیں میری خاطر جینا ہے۔ ہمت اور حوصلے ہر دکھ ہر تکلیف سہنا ہے۔ پلیز مت روؤ چاندنی۔ مت روؤ چاندنی۔ مت روؤ چاندنی۔'' وہ گل چاندنی کے پیڑ تلے بیٹھا چاندنی رات میں اپنی چاندنی سے مخاطب تھا۔ رو رہا تھا۔ اس کا دامن آج ایک بار پھر روز اول کی طرح آنسوؤں سے بھیگ گیا تھا۔ وہ فجر کی اذان تک وہاں بیٹھا روتا رہا۔ تڑپتا رہا اور اللہ اکبر کی پکار پر وضو کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے میں نماز ادا کرنے کی بجائے مسجد کی جانب چل دیا۔

☆.....☆.....☆

''سالار بیٹے! کام کم کیا کرو، لگتا ہے تم رات بھی بہت دیر سے سوئے تھے۔'' زرینہ خاتون نے ناشتے کی میز پر اسے مخاطب کیا۔ اس کی سرخ اور سوجھی ہوئی آنکھیں دیکھ کر انہیں یہی خیال آیا کہ وہ رات بھر جاگتا رہا ہے۔

سفینہ جو آج خلافِ معمول ناشتے کی میز پر موجود تھی۔ طنزیہ لہجے میں بولی۔

''سوئے کہاں ہیں یہ۔ رات بھر روئے ہیں اپنی چاندنی کی یاد میں۔''

''سالار بیٹے! یہ میں کیا سن رہی ہوں؟'' زرینہ خاتون نے حیران ہو کر اس کے چہرے کو دیکھا۔

''مجھے آفس کے لیے دیر ہو رہی ہے چلتا ہوں۔ خدا حافظ۔'' وہ یہ کہہ کر کرسی کھسکا کر کھڑا ہو گیا تو زرینہ خاتون نے ممتا بھرے لہجے میں کہا۔

''سالار بیٹے! تم خوش رہا کرو۔''

''خوش رہا کروں۔'' اس نے کرب آمیز لہجے میں کہا۔ ''کس لیے؟ کس لیے اور کس طرح خوش رہا کروں؟''

''کام کے علاوہ گھر میں دل لگایا کرو۔ سفینہ ہے، اس سے۔'' وہ بس یہی کہہ سکیں۔

''دل تو آپ لوگوں نے میرے سینے میں رہنے ہی کب دیا ہے جو میں کہیں لگایا کروں۔ آپ

سب خوش ہیں یہی بہت ہے۔ میرے خوش ہونے نہ ہونے سے آپ کو کیا فرق پڑتا ہے؟''

''فرق پڑتا ہے بیٹے! میں تمہاری ماں ہوں اور تمہیں خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔ تمہاری یہ حالت نہیں دیکھ سکتی۔'' وہ اس کے پاس آکر شفقت آمیز لہجے میں بولیں۔

''تو کس نے کہا آپ سے میری حالت دیکھنے کے لیے؟'' وہ سنجیدہ لہجے میں بولا۔

''آپ اس وقت بھی میری ماں تھیں جب آپ نے چاندنی کو مجھ سے الگ کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ آپ کو یہ احساس اس وقت کیوں نہیں ہوا کہ آپ میری ماں ہیں اور میری خوشی چاہتی ہیں۔ میری خوشی میری چاندنی سے تھی جو آپ سب نے مل کر مجھ سے چھین لی ہے۔ خوش ہونا اب میرے اختیار میں نہیں ہے اس لیے پلیز آپ لوگ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔''

''سالار! تم ایک پاگل شخص ہو۔'' سفینہ نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''صحیح کہا تم نے۔ میں پاگل ہی تو ہوں۔ چاندنی کے پیار میں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''میں کہاں ہوں تمہاری زندگی میں۔ میرا حصہ کہاں ہے؟'' وہ چیخ پلیٹ میں چیخ کر بولی۔

''تمہارا حصہ تمہاری تمام تر بدتمیزوں اور ہٹ دھرمیوں کے باوجود تمہیں مل رہا ہے اور ملتا رہے گا۔''

''مجبوراً نا۔ دل سے تو نہیں نا۔'' وہ تلخی سے بولی تو اس نے اطمینان سے کہا۔

''میں نے کہا نا۔ میرا دل اب میرے پاس رہا ہی کب ہے۔''

''تو چلے جاؤ اس نیلے نینوں اور چٹی چمڑی والی کے پاس جس کے پاس تمہارا دل ہے۔'' سفینہ نے غصے سے چیخ کر کہا تو وہ مسکراتا ہوا بغیر کوئی جواب دیئے وہاں سے چلا آیا۔

''ہونہہ چاندنی۔ اسے گولی مار دینی چاہیے تھی۔ وہ زندہ ہے۔ اس کے ملنے کی امید بھی ہے اس لیے سالار خان اب تک اسے یاد کر رہا ہے۔'' سفینہ نے غم و غصے سے سرخ ہوتے ہوئے کہا۔

''بھول جائے گا۔ وہ دوبارہ مل بھی گئی تو وہ اسے بیاہ کر تو نہیں لا سکتا نا۔ آخر طلاق دی ہے اس نے چاندنی کو۔'' زرینہ خاتون نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرتے ہوئے کہا تو وہ بھی اس تلخ حقیقت پر مسکرا دی۔

☆.....☆.....☆

آج کل چاندنی کا جنم دن تھا۔ سالار خان نے اس کے نام سے یتیم خانے میں صدقہ و خیرات دی تھی۔ اس کی سلامتی کی دعائیں مانگی تھیں اور اس کے لیے سونے کی انگوٹھی خریدنے کے ارادے سے ایک جیولر کے پاس چلا آیا۔ شوکیس میں رکھی ہوئی انگوٹھیاں دیکھتے ہوئے اچانک اس کی نظر سانولی کلائی میں پڑے ان کڑوں پر پڑی جو اس نے گل چاندنی کی کلائی میں پہنائے تھے۔ اس کے دل میں ہلچل سی مچ گئی۔ اس نے بے اختیار گردن گھما کر دیکھا۔ وہ کوئی بیس پچیس برس کی لڑکی تھی۔ بہت ہی دبلی پتلی تھی۔ سالار خان پریشان ہو رہا تھا کہ آخر یہ کڑے، یہ کنگن اس لڑکی کے ہاتھ کیسے لگے۔ اس ڈیزائن کو وہ کیسے بھول سکتا تھا۔ کنگن میں سالار کے نام کا ایس (S) ڈیزائن میں جڑا ہوا تھا۔ وہ انگوٹھی خریدنا بھول گیا اور اس لڑکی کے تعاقب میں باہر تک آ گیا۔ وہ اپنی ماں کے ساتھ آئی ہوئی تھی۔ سالار خان نے ان دونوں کا اپنی گاڑی میں ان کے گھر تک پیچھا کیا اور جب وہ اپنے گھر کا تالا کھول کر اندر داخل ہوئیں تو اس نے ان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

''جی کون ہیں آپ؟'' لڑکی کی ماں نے اسے اور اس کی چمچماتی کار کو حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اس نے نرم لہجے میں کہا۔ ''مجھے آپ سے ضروری کام ہے۔ کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔ صرف چند منٹ لوں گا آپ کے۔ پلیز۔''

''آ جائیں۔'' اس نے اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔ وہ شکریہ کہہ کر اندر داخل ہو گیا۔ وہ لڑکی گھر کے برآمدے میں کھڑی شاپنگ کے لفافے کھول رہی تھی۔ اسے دیکھ کر حیران ہوئی اور اپنی ماں کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''کون ہیں آپ اور ہم سے کیا بات کرنی ہے آپ نے؟'' عورت نے پوچھا۔

''یہ کنگن جو انہوں نے پہنے ہوئے ہیں یہ آپ نے کہاں سے لیے ہیں؟''

سالار خان نے لڑکی کی کلائی میں پڑے کڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا تو ان دونوں کے رنگ فق ہو گئے۔ لڑکی کے تو ہاتھ کانپنے لگے۔

''یہ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟'' لڑکی نے ہمت کر کے پوچھا۔

''کیونکہ مجھے یقین ہے کہ یہ کنگن آپ کے نہیں ہیں۔''

''تت.....تو اور کس کے ہیں یہ کنگن؟'' لڑکی نے ہکلاتے ہوئے پوچھا تو سالار خان نے سنجیدہ اور خطرناک لہجے میں کہا۔

''یہ آپ بتائیں گی ورنہ میں آپ کو پولیس کے حوالے کر دوں گا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ کنگن کس کے ہیں؟ اب سچ سچ بتا دیں کہ آپ نے یہ کنگن کیسے حاصل کیے۔''

''یہ.....مم.....میں نے ایک لڑکی کی کلائی سے اتارے تھے۔ ساتھ آٹھ ماہ پہلے جب میں ریل گاڑی میں سفر کر رہی تھی تو میرے برابر ایک لڑکی بیٹھی رو رہی تھی۔ شاید بیمار اور اکیلی تھی۔'' لڑکی نے ڈرتے ڈرتے اپنے جرم کا اعتراف کیا۔

''تم نے اس بیمار اور اکیلی لڑکی سے یہ کنگن چھین لیے۔'' وہ غم و غصے سے سرخ ہوتے ہوئے بولا۔

اس نے ڈرتے ڈرتے لہجے میں بتایا۔ ''نن.....نہیں جی۔ وہ تو بے ہوش ہو گئی تھی جب میں نے چپکے سے اس کی کلائی سے یہ کنگن اتار لیے تھے اور اس کے جاگنے سے پہلے میرا اسٹیشن آ گیا تھا۔ میں اتر گئی تھی۔''

''اس لڑکی کا حلیہ کیسا تھا؟'' سالار خان نے اپنے دل کو پکڑتے ہوئے دکھ سے پوچھا۔

''اس کی نیلی آنکھیں تھیں۔ رنگ بہت گورا تھا۔ بالکل انگریز لگتی تھی۔ بولی بھی نہیں تھی کسی سے اس لیے ہمیں یقین ہو گیا کہ وہ کوئی انگریز ہے۔ اس نے سیاہ رنگ کی بلوچی کڑاہی چادر میں خود کو چھپایا ہوا تھا۔''

''او مائی گاڈ! یہ کنگن تو تم فوراً اتار دو۔'' وہ غصے سے اسے دیکھتے ہوئے بولا تو اس نے فوراً کنگن اتار کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

''معاف کر دو بیٹا، اس سے بھول ہو گئی۔'' لڑکی کی ماں نے لرزتی آواز میں کہا۔

''شکریہ خاتون۔ اب میں چلوں گا۔ آپ یہ رکھ لیں۔'' سالار خان نے ہزار روپے کا نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا اور باہر نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

''یا اللہ! کہاں ہوگی چاندنی۔ کس حال میں ہوگی وہ۔ یہاں سے جاتے ہی اس کے ساتھ ہاتھ ہو گیا۔ وہ بے ہوش تھی اور نوا کہاں ہوگی اب وہ۔ کنگن چرا لیے گئے تھے تو اس کا باقی سامان، اس کے دو لاکھ دس ہزار۔ کیا وہ بھی کسی نے چرا لیے ہوں گے؟ اس کا کیا حال ہوا ہوگا؟ روپے پیسے کے بغیر تو علاج بھی نہیں ہوتا۔ اس نے کیسے گزارہ کیا ہوگا؟ وہ خالی ہاتھ کر بھی کیا سکتی ہے۔ نجانے اس کا کیا حال ہوگا؟ اور گزر بسر کیسے ہو رہی ہوگی۔ جاب کی عمر بھی نہیں ہے اس کی۔ نہ چھت نہ سائبان نہ کوئی رشتے دار۔ او خدایا! یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ بے سروسامانی کے عالم میں اس کا کیا حال ہوا ہوگا۔ کسی نے اسے ہاسپٹل بھی پہنچایا ہوگا کہ نہیں؟'' وہ اسٹڈی روم میں بیٹھا اس کے کنگن ہاتھ میں لیے پرنم آنکھوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ پریشانی سے سوچ رہا تھا۔ اس کی اور گل چاندنی کی تصاویر کا البم کھلا رکھا تھا۔ اس کی نیلی نیلی آنکھوں میں اسے سینکڑوں سوال اور شکوے مچلتے محسوس ہو رہے تھے۔ اس کے دل میں بے چینی اور بے قراری بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ وہ بے بسی سے چور تھا اور اللہ تعالیٰ سے چاندنی کی سلامتی اور عزت و آبرو کی حفاظت کی دعا مانگ رہا تھا۔ وہ چاندنی سے جو بھی بات کہنا چاہتا اپنی ڈائری میں لکھ دیتا۔ اب بھی اس نے اپنی بے چین سوچوں کو، سوالوں کو، بے قراریوں کو کاغذ پر تحریر کیا اور ڈائری ٹیبل کی دراز میں بند کر کے دراز کو لاک لگا دیا۔

''واؤ کس قدر خوب صورت کنگن ہیں۔ میرے لیے ہیں ناں۔''

سفینہ نے اسٹڈی میں آتے ہی اس کے ہاتھ سے کنگن لیتے ہوئے خوشی سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔ یہ تمہارے ناپ کے نہیں ہیں۔ میں تمہیں ایسے کنگن بنوا دوں گا۔''

''تو یہ کس کے لیے بنوائے ہیں؟'' سفینہ نے سپاٹ لہجے میں پوچھا اور کنگن میز پر پٹخ دیئے۔

''یہ گل چاندنی کے ہیں۔'' اس نے کنگن اٹھا کر نرم لہجے بتایا۔

''اوہ..... جو اسے پہننا نصیب نہیں ہوئے۔ وہ اس قابل ہی نہیں تھی کہ.....''

''سفینہ! میں پرسوں کی فلائٹ سے سعودی عرب جا رہا ہوں عمرہ کرنے کے لیے۔ اگر تم بھی میرے ساتھ جانا چاہو تو اپنا سامان پیک کر لو میں تمہاری سیٹ ریزرو کروا لوں گا۔''

سالار خان نے اس کے طنزیہ جملے کو بہت نرم لہجے میں مکمل ہونے سے پہلے کاٹ دیا تو وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔ اس کے طنز و تنقید کے جواب میں وہ اب اسی طرح خاموشی اور نرم روی اختیار کر لیتا تھا اور وہ جل کر رہ جاتی تھی۔

''جی نہیں شکریہ۔ میں تمہارے ساتھ وہاں نہیں جاؤں گی کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ تم وہاں کیوں جا رہے ہو اور کس کے لیے کیا دعا مانگنے جا رہے ہو؟''

''مرضی ہے تمہاری۔ ویسے بھی یہ سعادت ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ میں نے تمہاری دعا اور عبادت پر تو اثر انداز نہیں ہوتا تھا۔ تم ناحق بدگمان ہو رہی ہو مجھ سے بھی اور.....'' سالار خان نے گل چاندنی کی تصویر پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔ ''اور اس معصوم سے بھی۔''

''ہونہہ معصوم۔ خدا کر کے مر جائے یہ معصوم جس نے میری زندگی عذاب کر رکھی ہے۔ یہاں سے جا کر بھی یہاں سے نہیں گئی۔ کیسی جادوگرنی تھی۔ تم پر تو پکا جادو چلا کر گئی ہے۔ دل تو چاہتا ہے کہ میں اس حرافہ کو جان سے مار دوں اور یہ تصویریں بھی۔ انہیں تو میں آگ لگا دوں گی اور تو اور گل چاندنی کا پیڑ بھی گھر کے لان میں لگوایا گیا ہے۔ جڑ سے اکھاڑ پھینکوں گی میں اسے اس کی کوئی یاد، کوئی نشانی تمہارے پاس نہیں رہنے دوں گی۔'' وہ غصے سے پھنکارتی ہوئی زہر اگل رہی تھی اور وہ اپنا غصہ، اپنا کرب، اپنی تڑپ اور بے قراری چھپائے ہوئے ضبط کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

''اس کے لیے تو تم مجھے سالار خان کو ختم کر دو کیونکہ یاد کرن کے لیے تصویر ضروری نہیں ہوتی۔ تصور ہی بہت ہوتا ہے۔ درخت اکھاڑ دینے سے میرے دل میں موجود اس کی محبت کے تناور درخت پر کوئی آنچ نہیں آ سکتی۔ تم ناحق اپنا خون جلاتی ہو۔ کول رہا کرو ورنہ وقت سے پہلے بوڑھی ہو جاؤ گی۔'' اس نے نرمی سے کہا۔

''تم مجھے بڑی ہونے کا طعنہ دے رہے ہو نا۔'' سفینہ کو اس سے تین برس بڑے ہونے کی حقیقت نے مزید غصہ دلا دیا حالانکہ سالار خان نے یہ بات قطعی اس کی عمر کے حوالے سے نہیں کہی تھی مگر وہ تو یہی سمجھی تھی۔

''نہیں، تم بڑی ہو ہی نہیں تو بھلا میں ایسی بات کیوں کہوں گا اور بڑے ہونا تو بہت اعزاز کی بات ہے سفینہ بیگم! مگر یہ اعزاز بھی ہر کسی کو نہیں ملتا۔''

سالار خان نے سنجیدگی سے ذو معنی بات کہی۔ بہت میٹھا لہجہ تھا۔ طنزیہ جملہ بھی نرمی سے کہنے کا سلیقہ تھا اسے۔ وہ محض جل کر خاک ہوگئی۔ وہ وہاں سے اٹھ گیا۔

☆.....☆.....☆

گل چاندنی سے اس کی شادی جس تاریخ کو ہوئی تھی وہ اس تاریخ کو ہوئی تھی وہ اس تاریخ کو روضہ رسول ﷺ پر حاضری دے رہا تھا۔ اس کی بے چین و بے قرار دل نے آنکھوں نے رو رو کر گڑگڑا کر حبیب کبریا کے حضور فریاد کی۔ دعا مانگی۔ اس کا دعاؤں کا محور ''گل چاندنی'' تھی۔ اپنے کردہ، ناکردہ، معلوم نامعلوم خطاؤں کی معافی مانگی۔

اس پاک در سے جب وہ لوٹا تو اس کے اندر پہلے جیسی بے یقینی نہیں تھی۔ اپنا فیصلہ اپنے مالک و آقا اپنے خالق اور محبوب خالق کے سپرد کر کے وہ بہت ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ جس لمحے اس نے واپس اقتدار ولا میں قدم رکھا تو اس کی نظریں بے اختیار اس جگہ اٹھیں جہاں ''گل چاندنی'' کا پیڑ اس کی آمد کا منتظر ہوا کرتا تھا مگر اب وہاں وہ پیڑ موجود نہیں تھا۔ سالار خان کے دل پر ایک چوٹ سی پڑی۔ اسے یقین تھا کہ وہ پیڑ سفینہ نے کٹوا دیا ہے۔ وہ بے قراری سے اس جگہ چلا آیا۔ جہاں پیڑ تو نہیں تھا البتہ اس کے پھول پتے چاروں اطراف پھیلے ہوئے تھے۔ سالار خان گھٹنوں کے بل وہاں بیٹھ گیا اور پھول، پتے اٹھا کر اپنی ہتھیلیوں کے پیالوں میں جمع کر لیے۔

یہ درد و پھر جگا رہے ہیں
آنسوؤں کو بلا رہے ہیں
میری ہتھیلیوں پر سج کے
وفا کا نغمہ سنا رہے ہیں
یہ گل چاندنی کے پھول پتے

آنسو ٹپ ٹپ اس کی ہتھیلیوں پر سجے گل چاندنی کے پھول، پتے بھگو رہے تھے۔

''اوہو تو آتے ہی اس کی یاد میں آنسو بہائے جا رہے ہیں۔'' سفینہ اس کے سامنے کھڑی بہت ہی زہریلے اور کاٹ دار لہجے میں بولی تھی۔

''کیسی ہو تم؟'' سالار خان نے اپنے بازوؤں میں آنسو جذب کر کے بہت ہی نرم لہجے میں پوچھا۔ ایسے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ اس کے اس فعل کا کوئی رنج کوئی غصہ ہی نہ ہو۔ سفینہ حیرت اور ندامت سے گنگ ہوئی۔

''تم نے جواب نہیں دیا۔ خیریت سے تو ہو نا تم۔''

سالار خان نے کھڑے ہو کر دوبارہ کہا۔

''ہوں..... آں..... ہاں میں خیریت سے ہوں۔ مجھے کیا ہونا ہے؟''

وہ سٹپٹا کر بولی۔ ''اچھی بات ہے۔ میں ذرا چینج کر لوں۔ باقی باتیں پھر ہوں گی۔''

وہ گل چاندنی کے پھول مٹھیوں میں بند کیے اندر چلا آیا۔ پہلے تو سیدھا اسٹڈی میں آیا جہاں ''گل چاندنی'' کی تصاویر کا البم رکھا ہوتا تھا۔ اس نے پھول، پتے ایک کاغذ میں رکھ کر البم کھولا تو اس کے دل پر ایک چوٹ پڑی۔ البم میں صرف اس کی تصاویر موجود تھیں۔ جن تصاویر میں ''گل چاندنی'' اس کے ساتھ تھی۔ اس کی تصاویر کاٹ دی گئی تھیں اور صرف سالار خان کی تصویریں کٹی ہوئی لگی تھیں۔ وہ بے سدھ ہو کر کرسی پر ڈھے گیا۔ جیسے برسوں کا سفر کر کے لوٹا ہو۔ وہ بھی تنہا، اکیلے۔

اگلے دن ہی اس نے تصویروں کے نیگیٹو دوبارہ دھلوا لیے۔ ایک تصویر ہر لمحے اس کے والٹ میں موجود رہتی تھی۔ ''گل چاندنی'' کی تصویر جسے دیکھ کر اس کی صبح ہوتی تھی۔ جسے دیکھ کر وہ رات کرتا تھا۔

☆.....☆.....☆

وقت کو بھلا کون روک سکا ہے۔ وہ تو بے لگام اور منہ زور گھوڑے کی طرح بھاگتا ہی چلا جاتا ہے۔ سو وقت گزر گیا۔ دو سال گزر گئے۔ سفینہ کی گود ہری نہ ہوئی البتہ اس کے والد ابرار خان نے ایک ماڈل گرل سے شادی رچا لی۔ امینہ خاتون بہت چیخی چلائیں، روئیں مگر ان کی کسی نے نہیں سنی۔ حویلیوں سے

نکل کر شہر کے بنگلوں اور ملک کی اسمبلیوں میں پہنچنے والے جاگیردار، سرمایہ دار اپنی فطرت اور عادت سے نہیں پھر سکتے۔ ایک بیوی سے ان کا گزارہ نہیں ہوتا۔ دل لگی کے لیے اسی طرح باہر جھانکتے پھرتے ہیں۔

اسرار خان نے بھی دبا دبا احتجاج کیا تھا مگر وہ خود اس سسٹم کا حصہ تھا۔ لہٰذا اس کے نزدیک یہ انتہائی معمولی واقعہ تھا۔ ابرار خان نے اپنی نئی نویلی نوعمر دلہن کو گاڑی بنگلہ بیلنس سبھی کچھ دیا تھا۔ اقتدار خان نے انہیں سمجھایا بھی مگر ان کے عمر رسیدہ دل و دماغ پر تو نوجوان ماڈل گرل کے عشق کا بھوت سوار تھا۔ اقتدار خان کے ہاں سیاسی جلسے، جلوس، دعوتیں ہوتیں۔ اور وہاں بھی شراب، کباب اور شباب کا آزادانہ استعمال ہوتا۔

سالار خان ایسے میں دور بھاگنے کی کرتا۔ اس کا دل بہت کڑھتا تھا اپنے بزرگوں کی ان حرکتوں پر۔ ادھر سفیہ کی سوشل سرگرمیاں تھیں کہ بڑھتی ہی چلی جارہی تھیں۔ وہ مردوں میں آزادانہ گھومتی پھرتی۔ جدید تراش خراش کے لباس زیبِ تن کرتی اور اپنے حسن کی نمائش کرنے سے دریغ نہ کرتی۔ سالار خان نے اسے کئی بار سمجھانا چاہا لیکن وہ باز نہ آئی۔ سالار خان کو اقتدار ولا کا ماحول اقتدار خان کا اقتدار کی خاطر سیاسی جماعتیں بدلنا، ہر جائز ناجائز کام کرنا قطعاً پسند نہیں تھا۔ وہ اس ماحول سے فرار چاہتا تھا۔

اس کا کام بہت کامیابی سے چل نکلا تھا اور وہ الگ مکان بنانے کا سوچ رہا تھا تاکہ اس ماحول سے دور رہ سکے۔

وقت نے کروٹ بدلی۔ تین برس گزر گئے۔ سالار خان حج کی سعادت حاصل کر کے لوٹا تو اقتدار خان نے گھر میں ایک شاندار ضیافت کا اہتمام کیا جس میں عزیز رشتے داروں کے علاوہ ان کے سیاسی حلیف و حریف بھی شریک ہوئے۔ تقریب سیاسی صورت حال اختیار کر گئی۔ سالار خان کو موجودہ سیاست سے قطعاً دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو یہاں کرپشن کی سیاست دیکھ دیکھ کر کڑھتا تھا۔

اس کا بزنس اندرون ملک اور بیرون ملک گارمنٹس اور کمپیوٹر سافٹ ویئر کے حوالے سے بہت مقبولیت اور کامیابی حاصل کر رہا تھا۔ اس کے مال کی مانگ دن بدن بڑھتی جارہی تھی۔ اس کی اس مسلسل اور تیز تر ترقی میں اس کی محنت، نیک نیتی کا صالح عمل بھی شامل تھا۔

سفینہ تو اقتدار خان کی بہو کی حیثیت سے فیتے کاٹنے اور تصویریں اتروانے کی حد تک سوشل ورک کرتی تھی مگر سالار خان عملاً سماجی خدمت انجام دے رہا تھا۔ اس نے ''گل چاندنی'' کے نام سے بے سہارا بچیوں کے لیے ایک چھوٹا سا فلاحی ادارہ ''چاندنی ہاؤس'' کے نام سے تعمیر کرایا۔ جس میں یتیم اور بے سہارا بچیوں کی رہائش، خوراک، لباس اور تعلیم کی ذمہ داری ''چاندنی ہاؤس'' کی انتظامیہ کی تھی۔ مخیّر حضرات بھی ادارے کے لیے چندہ دے دیا کرتے تھے اور سالار خان اپنے بزنس کا کچھ حصہ اس ادارے کو ہر ماہ دیا کرتا۔

اقتدار خان نے اس ادارے کو اپنے سیاسی مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہا مگر سالار خان نے انہیں روک دیا۔ اقتدار خان کو اس کا یہ الگ تھلگ بزنس جما لینا، سماجی کاموں میں روپیہ خرچ کرنا بالکل پسند نہیں تھا۔ وہ انہیں اپنے بزنس اور سیاست کا حصہ بنانا چاہتے تھے۔

''سالار خان! تم کن چکروں میں پڑے ہو بیٹا، چھوڑو یہ ''چاندنی ہاؤس'' اور ''اسمبلی ہاؤس'' میں جانے کی تیاری کرو۔ تم میرے اکلوتے بیٹے ہو، میری جائیداد اور سیاسی گدی کے وارث۔ تمہیں اتنی محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میرا سب کچھ تمہارا ہی تو ہے اور تمہاری بیوی کے حصے کی جائیداد بھی تمہاری ہے۔ بابا، اس کی دیکھ بھال کرو۔ کون سنبھالے گا اسے۔ تم تو ابھی تک اولاد کی خوشی بھی نہیں دیکھ سکے۔''

سالار خان بہت عرصے بعد اقتدار خان کے ہاتھ لگے تھے۔ انہوں نے انہیں اپنے پاس بٹھا کر سمجھانے کی کوشش کی۔

''اولاد'' کی بات پر سالار خان کے اندر ہلچل سی مچ گئی۔ انہیں بچوں کی شدید خواہش تھی مگر وہ شادی کے تین سال گزر جانے کے بعد بھی اولاد کی نعمت سے محروم تھے۔ کسی سے کہتے نہیں تھے مگر اندر ہی اندر اس کمی کو محسوس کرتے تھے۔

''بابا سائیں! اولاد دینا نہ دینا تو اللہ سائیں کا کام ہے۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ مجھے بابا کہنے والا کوئی ہو۔ لیکن یہ تو اوپر والے کی مرضی ہے کہ وہ دے نہ دے۔ رہی بات سیاست میں آنے کی تو معافی چاہوں گا بابا سائیں! جس قسم کی سیاست آپ لوگ کر رہے ہیں۔ وہ میرے بس کی بات نہیں ہے اور بابا

سائیں! آپ کو بھی اس ملک کے لیے سوچنا چاہیے۔ آپ بڑے ہیں آپ لوگ اگر یہ کام نہیں کریں گے تو نوجوان سیاست دان کس طرح صحیح راستے پر چلیں گے۔ ملک کو کھائیں نہیں ملک کو بنائیں۔'' سالار خان نے سنجیدگی سے کہا۔

تو وہ ہنس کر بولے۔ ''تم تو الٹا مجھے سمجھانے بیٹھ گئے ہو۔ خیر چھوڑو اس سیاست کو۔ یہ بتاؤ کہ تمہیں چوہدری نیاز احمد کی بیٹی رخسانہ کیسی لگی؟''

''جی..... کیا مطلب کیسی لگی؟'' وہ حیران ہو کر بولے۔

''مطلب یہ ہے بیٹا جی! کہ میں رخسانہ سے تمہاری شادی کرانا چاہتا ہوں۔ کروڑوں کی جائیداد کی اکیلی وارث ہے اور چوہدری نیاز احمد کو بھی اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ سیاست کے ساتھ ساتھ رشتے داری میں بھی ہم اکٹھے ہو جائیں گے تو.....''

''پلیز بابا سائیں، رحم کریں مجھ پر۔'' سالار خان نے بے چین ہو کر کہا۔ ''اور غور کریں کیا رخسانہ اور چوہدری نیاز احمد خان ہمارے خاندان کے لوگ ہیں جو میں اس سے شادی جیسا رشتہ جوڑ لوں؟''

''بیٹے! آج کل خاندان، جائیداد، جاگیر اور روپے سے بنتا ہے اور اس اعتبار سے ہمارا اور چوہدری نیاز احمد کا خاندان ایک ہی ہے۔'' اقتدار خان نے کہا۔

''مگر ''گل چاندنی'' کی بار تو آپ نے اپنا خاندان اور خون بہت ستا رہا تھا۔ اس وقت یہ بات کیوں نہیں یاد آئی آپ کو۔ اب آپ اپنے خاندان کی رسم، روایت کیوں توڑ رہے ہیں؟''

''سالار خان! تم ابھی تک بے اولاد ہو اور ہم تمہاری شادی اولاد کے لیے بھی کرنا چاہتے ہیں۔ آخر ہماری نسل تم تک تو ختم نہیں ہو سکتی نا۔ سفینہ رہے تمہارے ساتھ بلکہ تم اس کے ساتھ رہتے ہی کب ہو۔ تم دونوں اپنے اپنے مشاغل اور منصوبوں کو مکمل کرنے میں مصروف رہتے ہو۔ اس لیے سفینہ کو تمہاری شادی پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ تم اس سے بات کر لینا ورنہ تمہاری ماں خود اس سے بات کر لے گی۔ سفینہ ابھی تک اس خاندان کو ایک وارث نہیں دے سکی تو ہمیں اپنے خاندان کے نام کے لیے سوچنے اور عمل کرنے کا حق حاصل ہے۔'' اقتدار خان نے سنجیدگی سے کہا تو وہ خاموشی سے اٹھ کر چلے گئے۔

رات کو وہ سفینہ سے بات کرنے کے لیے خود کو تیار کرتے رہے۔ وہ بچے ضرور چاہتے تھے مگر ایک اور سفینہ بیاہ کر نہیں لانا چاہتے تھے۔ انہیں گل چاندنی کی نیلی سمندروں سی آنکھیں تڑپانے لگیں۔ جو خود بھی ایک معصوم سی بچی تھی۔ جب ان سے جدا ہوئی تھی۔

سفینہ میک اپ صاف کر رہی تھی اور سالار خان ایزی چیئر پر بیٹھے اسے دیکھ رہے تھے۔ انہیں یاد آ رہا تھا کہ سفینہ نے کس طرح ان کے کردار پر الزام لگایا تھا۔ ''گل چاندنی'' کو ہیرا منڈی سے منسلک کرنے کی کوشش کی تھی۔ وجو برسوں سے اسے جانتی تھی اس کے کردار پر اتنا بڑا الزام اتنی آسانی سے لگا گئی تھی اور وہ معصوم ''گل چاندنی'' جو صرف دو ماہ کے لیے اس کی زندگی میں آئی تھی۔ اس کے کردار کو داغ دار نہیں دیکھنا چاہتی تھی اور اسے اس کی خاطر چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ انہوں نے درد بھری گہری سانس لی اور اٹھ کر سفینہ کے ڈریسنگ ٹیبل کے قریب آ کھڑے ہوئے اور قمیض کی جیب میں سے ایک مخملی ڈبیہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

سفینہ نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''یہ انگوٹھی مجھے پسند آئی سو میں نے تمہارے لیے خرید لی۔ تمہیں انگوٹھی بہت پسند ہے نا۔'' انہوں نے نرم لہجے میں کہا۔

''اٹس بیوٹی فل۔'' سفینہ نے ڈبیہ کھول کر دیکھا۔ ہیرے جڑی سونے کی بہت نفیس انگوٹھی تھی۔ اس نے خوشی سے تمتماتے چہرے سے انہیں دیکھا اور انگوٹھی اپنی مخروطی انگلی میں پہن کر ہاتھ ان کے سامنے کرتے ہوئے پوچھا۔

''تمہارے ہاتھ میں بھی اچھی لگ رہی ہے۔''

''بھی۔'' وہ بدگمان ہو کر بولی۔ ''اس کا مطلب ہے کہ یہ انگوٹھی کسی اور کے ہاتھ میں بھی پہنی ہوئی دیکھ چکے ہو تم۔ یہ بھی کہیں تمہاری چاندنی کی اترن تو نہیں ہے۔''

''سفینہ! تم غلط سمجھ رہی ہو، بھی سے مراد یہ تھی کہ یہ انگوٹھی مجھے اچھی لگی تھی جبھی میں نے تمہارے لیے خریدی تھی۔ یہ تم نے پہن لی تو بھی اچھی لگ رہی ہے۔ تم بات کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہو۔'' وہ

نرمی سے وضاحت کرتے ہوئے بولے۔

اس نے خجل ہو کر کہا۔ ''اینی ہاؤ تھینک یو۔''

''سفینہ! ہماری شادی کو تین سال ہو چکے ہیں۔ تمہیں کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی؟''

''کمی۔ کیسی کمی؟''

''بچوں کی کمی۔'' سالار خان نے اس کے چہرے کو دیکھا تو چند لمحوں کو وہ خاموش ہو گئی پھر آہستگی سے بولی۔

''مجھے کبھی خیال ہی نہیں آیا اس بات کا۔''

''تو اب کیا خیال ہے تمہارا؟ اماں بابا سائیں جائیداد کا وارث چاہتے ہیں اور میری ایک اور شادی کرانا چاہتے ہیں۔'' انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

''اور تم کیا چاہتے ہو؟'' سفینہ نے فکرمند ہو کر پوچھا۔

''میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ ہم دونوں اپنا میڈیکل چیک اپ کرا لیں تاکہ اگر کوئی پرابلم ہو تو اس کا علاج کرایا جا سکے۔''

''پرابلم تم میں ہوگا مجھ میں نہیں ہے کوئی پرابلم۔'' وہ اٹھتے ہوئے مغرور لہجے میں بولی۔

''اسی لیے میں اپنا چیک اپ بھی کراؤں گا تاکہ جس میں بھی جو نقص ہو اس کا علاج ہو سکے اور ہم بھی اس گھر میں بچوں کو ہنستا، کھیلتا دیکھ سکیں۔ تم تیار رہنا، ہم کل ہی کسی گائنا کالوجسٹ سے ملیں گے۔''

سالار خان نے اس کی بات میں چھپے غرور، طنز اور تمسخر کو بہت فراخدلی سے نظر انداز کرتے ہوئے اپنے نرم، مدھم لہجے میں جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔'' اس نے خلافِ توقع ان کے ساتھ جانے کی ہامی بھر لی۔

شاید اس کی وجہ سالار خان کی دوسری شادی کا متوقع خطرہ تھا۔ اور وہ یہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ اس کے سر پر اس کی ماں کی طرح سوتن لا کر بٹھا دی جائے۔ وہ اپنے مرد میں شراکت برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ پہلے ہی گل چاندنی سے سالار خان کو رہائی نہیں دلا سکتی تھی۔ اس پر ایک اور ''گل چاندنی'' کی

آمد اس کے اندر غم و غصے کی لہریں اٹھا رہی تھی۔

دوسرے دن وہ سالار خان کے ساتھ اپنا میڈیکل چیک اپ کرانے گئی۔ ڈاکٹر ہاجرہ نے رپورٹس اگلے دن آ کر لے جانے کا کہا تو وہاں سے سیدھی امینہ خاتون کے پاس چلی آئی اور انہیں ساری بات بتا دی۔

''سفینہ! سالار خان نے تمہارا چیک اپ کرانے کی بات کہی ہے تو اس کا مطلب ہے وہ تم سے ہی اولاد چاہتا ہے۔ تم پر سوتن نہیں لانا چاہتا۔ تم نے آج تک اسے گل چاندنی کے چاہنے کی اسے یاد رکھنے کی سزا دی ہے۔ بیوی بن کر تو تم بھی نہیں رہیں اس کے ساتھ۔ ارے عورت کو تو سو ڈھنگ آتے ہیں اپنے مرد کو قابو کرنے کے مگر تم نے اپنے مرد کو اس کی پہلی شادی اور پہلی بیوی کے نام سے تنگ کیے رکھا۔ اپنا مقام تم نے خود گنوایا ہے۔ اپنے غصے اور غرور کی وجہ سے آج تم اس مقام پر کھڑی ہو۔ تم ''گل چاندنی'' کی جگہ گئی تھیں ظلم تو اس معصوم بچی پر ہوا تھا۔ در بدر تو وہ ہوئی تھی اور مجھے تو اب ایسا محسوس ہونے لگا کہ اس گل چاندنی کی آہ لگی ہے ہمیں، ہم نے اسے کیا کچھ نہیں کہا تھا۔ اس سولہ سترہ برس کی یتیم بچی کو دھتکارا تھا۔ یقیناً ہمیں اسی بدسلوکی کی سزا مل رہی ہے۔ تم بے اولاد ہو۔ اب مجھ پر تمہارے باپ نے تم سے بھی چھوٹی عمر کی لڑکی سوتن کے روپ میں لا بٹھائی ہے۔

اسرار خان کی فیکٹری الگ خسارے میں جا رہی ہے۔ زرینہ الگ بے چین پھرتی ہے۔ اقتدار خان کبھی ایک سیاسی پارٹی میں جاتے ہیں تو کبھی دوسری میں۔ ان کی سیاسی ساکھ بھی داؤ پر لگ گئی ہے۔ یہ سب ''گل چاندنی'' سے بدسلوکی کی سزا ہی نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ اس معصوم کی آہیں اور سسکیاں ہم نے تو نہ سنیں مگر اللہ تو سب کی سنتا ہے۔ مظلوم کی آہ سے تو اس کا عرش بھی ہل جاتا ہے۔ وہ آخرت میں ہی نہیں دنیا میں بھی انسان کو اس کے اعمال کی جزا اور سزا دیتا ہے اور ہم اس کی سزا کی زد میں آ رہے ہیں۔ ہمیں توبہ کرنی چاہیے۔ معافی مانگنی چاہیے اس سے۔ اور میں تو اب ہر نماز میں دعا مانگتی ہوں کہ کہیں سے مجھے وہ بچی ''گل چاندنی'' مل جائے تو میں ہاتھ جوڑ کر اس سے اپنی بے حسی کی معافی مانگ لوں۔ اللہ مجھے معاف کرے، میں نے ماں ہو کر ایک عورت ہو کر اس پر اتنا ظلم ہونے دیا بلکہ خود بھی اس کے ساتھ

ظلم کیا۔ میں اسرار خان کو اور تمہارے باپ کو تو اس زیادتی سے منع کر سکتی تھی مگر نہیں۔ میں نے تو خود ان کا ساتھ دیا تھا۔'' امینہ خاتون بولتے بولتے رونے لگیں تو سفینہ کے دل میں بھی ان کی باتوں کی حقیقت کھلنے لگی۔ کچھ دیر تک تو وہ بھی شرمندہ اور خوفزدہ سی بیٹھی رہی پھر سر جھٹک کر اٹھ گئی۔

☆.....☆.....☆

''مسٹر سالار خان! یہ آپ کی میڈیکل رپورٹس ہیں۔ ماشاء اللہ آپ بالکل فٹ ہیں، صحت مند ہیں، آپ میں کوئی نقص نہیں ہے۔'' وہ آفس سے واپسی پر ڈاکٹر ہاجرہ کے کلینک میں موجود تھے۔ سفینہ نے انہیں رپورٹ لانے کی ذمہ داری سونپ دی تھی۔

''تھینکس گاڈ۔'' سالار خان نے اپنی رپورٹس کا لفافہ پکڑ کر کہا۔

''اور یہ آپ کی مسز کی رپورٹس ہیں اور بدقسمتی سے آپ کی مسز ماں بننے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔ بانجھ ہیں۔''

''اونو۔ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں ڈاکٹر؟'' سالار خان کو دلی صدمہ پہنچا یہ خبر سن کر۔ سفینہ کی رپورٹس ان کے ہاتھ سے گر گئیں۔

''میں وہی کہہ رہی ہوں جو آپ کی مسز کی رپورٹس کہہ رہی ہیں۔''

''اس کا کوئی علاج تو ہوگا۔''

''علاج ممکن ہے لیکن بہت مشکل ہے۔ میڈیکل سائنس نے خاصی ترقی کر لی ہے۔ آپ اپنی مسز کو کسی باہر کے ملک لے جائیں شاید وہاں اس کا علاج ممکن ہو سکے۔ کیونکہ میری تحقیق اور نالج کے حساب سے تو اب صرف دعا ہی واحد علاج ہے۔ خدا ہی کوئی معجزہ دکھانا چاہے تو یہ بھی ممکن ہے۔ ویسے مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں نے آپ کو اچھی خبر نہیں سنائی۔'' ڈاکٹر ہاجرہ نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''آپ نے تو وہی بتایا ہے جو سچ ہے مگر پلیز آپ یہ سچ سفینہ کو مت بتائیے گا۔ انہیں بہت دکھ ہو گا۔ وہ آپ سے پوچھیں تو آپ کہہ دیجیے گا کہ سب ٹھیک ہے۔'' سالار خان نے سنجیدگی سے کہا۔

''جی ضرور، میں سمجھتی ہوں آپ کی کیفیت اور مجبوری۔ آپ مطمئن رہیں۔ میں آپ کی مسز کو سچ

نہیں بتاؤں گی۔'' ڈاکٹر ہاجرہ نے اس کی بات سے متاثر ہو کر کہا۔

''تھینک یو۔'' وہ رپورٹس لے کر گھر چلے آئے۔

''تو کیا اب یہ خوشی بھی میرے مقدر میں نہیں ہے۔ میں اپنے بچوں کو اپنی گود میں کھلا نہیں سکوں گا۔ ان کی معصوم شرارتیں نہیں دیکھ سکوں گا۔ ان کی پیاری پیاری باتیں نہیں سن سکوں گا۔ کیا میں اولاد کی خوشی سے بھی محروم رہوں گا؟ یا اللہ! میں نے ایسی کون سی خطا کی ہے جس کی اتنی بڑی سزا مل رہی ہے مجھے۔ پہلے چاندنی مجھ سے چھین لی گئی اور اب..... اب اولاد کی آمد کا امکان بھی چھن گیا ہے۔ میں کیا کروں؟'' سالار خان بے چینی اور دکھ کے عالم میں کمرے میں ٹہل ٹہل کر سوچ رہے تھے۔

''رپورٹس لے آئے تم؟'' سفینہ نے رات کو بیڈ روم میں آتے اس سے پوچھا۔

''نہیں۔''

''نہیں، مگر ڈاکٹر ہاجرہ تو بتا رہی تھیں کہ آپ کے شوہر آپ کی اور اپنی رپورٹس لے گئے ہیں۔ میں نے فون کیا تھا انہیں؟''

''اوہاں وہ رپورٹس۔ میں کچھ اور سمجھا تھا۔ میڈیکل رپورٹس تو نارمل ہیں۔ سب ٹھیک ہے اب اولاد دینا نہ دینا تو اللہ کے اختیار میں ہے۔'' سالار خان نے فوراً سنبھل کر سنجیدگی سے کہا۔

''اور جو انکل اور آنٹی بچے کے لیے بے چین ہوئے جا رہے ہیں تمہیں بھی بہت تمنا ہے بچے کی۔ اس کا حل کیا ہے؟'' وہ جیولری اتارتے ہوئے سپاٹ لہجے میں بولی۔

''صبر۔ اور زیادہ سے زیادہ یہ کہ ہم کسی یتیم بچے کو گود لے لیں۔''

''ہونہہ۔ یتیم بچے کو گود لے لیں۔ ایک یتیم بچی کو تم نے شادی کے نام پر ایڈاپٹ کیا تھا اور اس کی یاد میں ''چاندنی ہاؤس'' بنا کر کھڑا کر دیا اور اب تم ایک یتیم بچے کو یہاں لے آؤ اور اس گھر کو ''چاند ہاؤس'' کا نام دے لو۔ یتیموں سے تو خاص لگاؤ ہے تمہیں۔'' وہ تلخ اور طنزیہ لہجے میں بولی۔

''تو یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی ان لوگوں کو پسند فرماتے ہیں جو یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھتے ہیں اور سفینہ بیگم! اتنے تکبر اور تنفر آمیز لفظ اور لہجے کا استعمال مت کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ کے قہر

سے ڈرا کرو۔ توبہ کرو۔ جو کچھ اب تک کر چکی ہو اور کہہ چکی ہو کیوں اپنی دنیا اور آخرت خراب کرنے پر کمر بستہ ہو۔'' سالار خان نے نرمی سے اسے سمجھانا چاہا۔

''تمہیں میری دنیا اور آخرت کی اتنی فکر کیوں ہونے لگی؟'' لہجہ ہنوز طنزیہ تھا۔

''کیونکہ میں لوگوں کے ان کے اعمال کی جزا اور سزا ملتے دیکھ رہا ہوں۔''

''خیر ابھی تو تم مجھے میری رپورٹس دکھاؤ۔''

''سوری، میں تمہیں تمہاری رپورٹس نہیں دکھا سکتا۔'' اس نے نرمی سے انکار کر دیا۔ وہ اگر اس سے کی رپورٹس مانگتی تو وہ ضرور دے دیتا مگر اس نے اپنی رپورٹس مانگی تھیں اور وہ یہ بری خبر خود اسے سنانا نہیں چاہتے تھے۔

''کیوں نہیں دکھا سکتے'' وہ اس کے سر پر آ کھڑی ہوئی۔ غصے سے بولی۔

''میری مرضی۔'' وہ آرام سے بولے تو اس کا پارہ آسمان کو چھونے لگا۔

''میں تمہاری مرضی کی پابند نہیں ہوں۔ سمجھے تم۔ دکھاؤ مجھے میری رپورٹس۔''

''یقیناً تمہاری رپورٹس میں گڑبڑ ہو گئی جبھی مجھ سے میری رپورٹس چھپا رہے ہو۔ ورنہ تم نے تو مجھے کھڑے کھڑے بے عزت کر دینا تھا اور دوسری شادی کا راستہ ہموار کر لینا تھا۔'' وہ غصے سے دیر تک اول فول بکتی رہی اور اسے برا بھلا کہتی رہی اور وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ اسے قابل رحم نظروں سے دیکھتے رہے۔

☆.....☆.....☆

صبح وہ آفس جانے کے لیے کمرے سے نکلا تو ڈاکٹر ہاجرہ کے علاوہ ابرار خان، امنہ خاتون، سائرہ باجی اور اسرار خان کو زرینہ خاتون سمیت وہاں موجود پایا۔

''خیریت تو ہے یہ صبح صبح عدالت کیوں لگی ہوئی ہے؟'' وہ انہیں سلام کر کے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''تمہیں سزا سنانے کے لیے۔'' سفینہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''تو آج تک تم مجھے کیا سناتی اور دیتی آئی ہو؟''

''یہ رپورٹس کا کیا معاملہ ہے سالار۔تم نے سفینہ کو میڈیکل رپورٹس کیوں نہیں دکھائیں؟'' ابرار خان نے پوچھا۔

''میں نے دکھانا ضروری نہیں سمجھیں۔'' انہوں نے آرام سے جواب دیا۔

''سفینہ کا کہنا ہے کہ نقص تم میں ہے اس لیے تم رپورٹس چھپا رہے ہو۔'' اسرار خان نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''کون سا نقص؟''

''یہی کہ تم باپ نہیں بن سکتے۔''

''جی ہاں! میں باپ نہیں بن سکتا۔میں سفینہ بیگم کے بچوں کا باپ تو واقعی نہیں بن سکتا۔جس کا مجھے بے حد افسوس ہے۔'' سالار خان نے اطمینان سے کہا۔

''تو گویا تم یہ بات تسلیم کرتے ہو کہ تم میں خرابی ہے۔'' امینہ خاتون بولیں۔

''جی ہاں چچی جان۔خرابی صرف مجھ میں ہے آپ کی بیٹی تو ہر عیب، ہر برائی، ہر خرابی سے پاک ہے۔خرابی تو مجھ میں ہی ہے جو میں آج تک آپ کی بیٹی کو اپنی بیوی کی حیثیت سے برداشت کر رہا ہوں۔خرابی مجھ میں ہی ہے جو میں آپ کی بیٹی کو غیر مردوں کے ساتھ گھومتے پھرتے ہنسی مذاق کرتے دیکھتا رہا ہوں۔عیب میرے اندر ہی ہے کہ میں آج تک سفینہ بیگم کے طنز، تنفر اور تحقیر سے بھرے جملے اور رویے سہتا رہا ہوں۔خرابی مجھ میں ہی ہے کہ میں اس کا دل دکھانا نہیں چاہتا تھا اس لیے اس کی رپورٹس اسے نہیں دکھائیں۔'' وہ اپنے غصے کو بمشکل ضبط کرتے ہوئے تیز لہجے میں بولے تو سب شرمندہ سے ہو گئے۔سفینہ کا رویہ سب نے دیکھ جو رکھا تھا۔

''میرے دل کو چھوڑو، اپنے دل کی کہو جو سب کے سامنے شکست اور خامی تسلیم کرنے سے ڈرتا ہے۔'' سفینہ نے تلخی سے کہا۔وہ سلگ گئے۔

''سفینہ بی بی! آپ اپنے شوہر کے ساتھ زیادتی کر رہی ہیں اور وہ بھی یوں سب کے سامنے حالانکہ نقص آپ میں ہے۔آپ بانجھ ہیں۔آپ کے شوہر صحت مند ہیں۔ان میں کوئی نقص یا خرابی نہیں

ہے۔'' ڈاکٹر ہاجرہ سے مزید ضبط نہ ہو سکا تو بلند آواز میں بولیں تو سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ سفینہ کا رنگ اڑ گیا۔ سالار خان نے اپنے بریف کیس میں سے اپنی اور اس کی رپورٹس نکال کر میز پر رکھ دیں۔

''آپ جھوٹ بول رہی ہیں ڈاکٹر صاحبہ! آپ بھی سالار کے ساتھ ملی ہوئی ہیں۔ نقص مجھ میں نہیں ہے اس میں ہے۔'' وہ چیخ کر بولی۔

''آپ کو اس انداز میں بی ہیو کرتے دیکھ کر تو مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ آپ اچھے انسان کی قدر نہیں کر سکیں۔ اپنی رپورٹس آپ خود دیکھ لیجیے۔ سالار خان صاحب نے مجھے آپ کو بتانے سے صرف اس لیے منع کیا تھا کہ انہیں آپ کے ہرٹ ہونے کا خیال تھا۔ مگر مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوا ہے ہرٹ تو آپ نے انہیں کیا ہے۔'' ڈاکٹر ہاجرہ نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''یہ جھوٹ ہے۔ یہ رپورٹس جعلی ہیں۔ تم دونوں نے مجھے بے وقوف بنایا ہے۔''

''آپ کسی اور ڈاکٹر سے اپنا چیک اپ کرا لیں۔ مجھے اجازت دیں۔''

ڈاکٹر ہاجرہ اٹھ کر جانے لگیں تو سالار خان نے ان کے پاس آ کر سفینہ کے رویے کی معذرت کی۔

''کوئی بات نہیں سالار صاحب۔ آپ معذرت کر کے مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔ اللہ آپ کو دلی خوشی اور اولاد کی نعمت عطا فرمائے۔'' ڈاکٹر ہاجرہ نے دل سے اسے دعا دی اور چلی گئیں۔

''میں امریکہ جاؤں گی چیک اپ کے لیے۔ یہ رپورٹس جعلی ہیں۔ میں بانجھ نہیں ہو سکتی۔''

سفینہ غصیلے لہجے میں با آواز بلند بول رہی تھی۔ امینہ خاتون اسے سنبھالنے کی کوشش میں رو رہی تھیں۔ انہیں پورا یقین ہو چلا تھا کہ ان کے گھرانے کو ''گل چاندنی'' کا دل دکھانے کی، اسے در بدر کرنے کی سزا مل رہی ہے۔

سالار خان نے اس کی ہٹ دھرمی اور بدتمیزی کے باوجود اس سے کچھ نہیں کہا بلکہ چیک اپ کے لیے اسے امریکہ لے گئے اور جب وہاں کے ماہر گائنا کالوجسٹ نے بھی اسے بانجھ قرار دیا تو سفینہ کی حالت قابل رحم تھی۔

اسے شدید ندامت اور ذلت کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اور سالار خان

نے بھی اسے رونے دیا تاکہ اس کے دل و دماغ پر جمی غرور، تکبر، بدگمانی اور شک کی گرد صاف ہو جائے۔ اس کے دل کا میل دھل جائے۔

وہاں سے واپسی پر وہ کسی سے نظر ملانے کی تاب نہیں لا رہی تھی۔ سب کی نظریں اسے اپنا مذاق اڑاتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس نے سالار خان کے سامنے آنے سے بھی گریز کرنا شروع کر دیا۔ اسے اپنی غلطیوں کا، اپنے رویے کی بدصورتی کا احساس ہو رہا تھا جو اسے اپنی ہی نظروں میں گرا رہا تھا۔ سالار خان کا رویہ اسے بلند مقام پر جگہ دیئے بنا نہیں رہ سکا۔ وہ دل سے ان کی سیرت و کردار کی، ان کے اعلیٰ اخلاق کی قائل ہو چکی تھی اور اب تو اسے بھی یقین ہو چلا تھا کہ اس کو قدرت نے گل چاندنی سے بدتمیزی کرنے کی سزا دی ہے۔ وہ چھپ چھپ کر روتی گھر سے باہر مصروف رہنے کی کوشش کرتی۔

وقت گزرتا رہا..... سفینہ کے والدین نے، بھائی نے سالار خان کو دوسری شادی کی اجازت بخوشی دے دی تھی۔ سائرہ باجی کی خوشیوں کی ضمانت کے ساتھ مگر سالار خان شادی کرنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنا فیصلہ اعلیٰ عدالت کے سپرد کر دیا تھا۔ اللہ کی عدالت کے سپرد اور اپنے کام میں مگن ہو گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

آج وہ چھ سال بعد ریاض سے ملی تھی۔ ریاض جو اس کا یونیورسٹی فیلو تھا۔ ریاض جو اس کی پہلی پسند تھا۔ اس کا پیار، وہ بھی اسی انداز میں اس سے ملا تھا۔ اس کی شادی ہو گئی تھی۔ دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا اس کا اور اس کی بیوی دوسری بیٹی کی پیدائش کے دوران انتقال کر گئی تھی۔ چھوٹی بیٹی ابھی صرف چار ماہ کی تھی اور ریاض کو بچوں کو سنبھالنے کی مشکل رہتی تھی۔ اس کی ماں اور بہن اس کے بچوں کو سنبھال رہی تھیں اور اس سے دوسری شادی پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ریاض کے حالات جان کر سفینہ کے دل میں پرانی محبت جاگ اٹھی۔ ریاض کو اپنے حالات بتا کر وہ اس سے جس بات کی توقع کر رہی تھی اس نے وہی بات اس سے کہہ دی۔

”سفینہ! زندگی کا سفر بہت طویل ہے جسے میں تنہا طے نہیں کر سکتا۔ مجھے ایک ساتھی کی ضرورت ہے جو زندگی کا دکھ سکھ میرے ساتھ شیئر کر سکے۔ مجھے میرے بچوں کے لیے ایک ایسی عورت کی ضرورت

ہے جو میرے بچوں کو اپنے بچے سمجھ کر انہیں ماں کا پیار دے۔ اگر تم اپنے رویوں کی وجہ سے، اولاد نہ ہونے کی وجہ سے اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کرنا چاہتی ہو تو یہ تمہارا اپنا فیصلہ ہے۔ ہاں اس فیصلے کو عملی شکل دینے کے بعد اگر تم چاہو تو میں تمہارا ہاتھ تھامنے کو روز اول کی طرح بخوشی تیار ہوں۔ تمہارے گھر والوں کا وہ سلوک بھی میں تمہاری خاطر فراموش کر کے ان سے ایک بار پھر تمہارا ہاتھ مانگنے کی کوشش کر سکتا ہوں۔ شاید تقدیر نے ہمیں اس طرح ملانا تھا جو ہم ان حالات میں ایک دوسرے سے اچانک آملے ہیں۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں ایک بوجھ تلے دبی ہوئی ہوں۔ سالار خان کے حسن سلوک کے بوجھ تلے۔ میں اس سے نظر نہیں ملا سکتی تو بھلا اب ساری زندگی اس کے ساتھ کیسے گزار سکتی ہوں۔ مجھ میں تو اس سے معافی مانگنے کی بھی ہمت نہیں ہے۔ اس کی پہلی بیوی کی وجہ سے میں اسے وہ مقام ہی نہ دے سکی اپنے دل میں جو کہ شوہر کی حیثیت سے اسے ملنا چاہیے تھا۔ سچ تو یہ ہے ریاض کہ میں تمہیں بھی نہیں بھول سکی تھی۔ تمہیں پا نہ سکی اور جسے پایا اسے اپنا نہ بنا سکی۔ وہ تو پہلے ہی کسی کا ہو چکا تھا، مگر پھر بھی اچھا تھا۔ میں نے نجانے کس کس کے جرم کی سزا اسے دی ہے اب تک..... اب میں اس کا سامنا نہیں کر سکتی۔ اس لیے اس سے علیحدگی اختیار کرنا چاہتی ہوں۔ تم اگر گزرے ہوئے برسوں کو بھلا کر حال اور مستقبل پر نظر رکھو گے تو میں تمہارا ہاتھ تھامنے کو تیار ہوں ورنہ نہیں۔" سفینہ نے سنجیدگی سے کہا تو وہ فوراً بولا۔

"پرانی بات نہیں کرو۔ ہم دونوں اپنے ماضی کو بھلا کر اپنے مستقبل پر بات کریں گے۔ مستقبل کو حال کو خوشگوار بنانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ تم مجھے آزما سکتی ہو۔"

اور اب وہ سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر ریاض کو پانے کے لیے، اس کے بچوں کی ماں بننے کے لیے بخوشی تیار تھی۔

☆.....☆.....☆

سالار خان رات کو کھانا کھانے کے بعد اسٹڈی روم میں بیٹھ کر کافی دیر تک پھڑنے لکھنے کا کام کرتے تھے۔ اب بھی حسبِ معمول وہاں موجود تھے تو سفینہ وہاں چلی آئی۔ انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا کیونکہ وہ اس وقت اس کے پاس نہیں آتی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ آپس میں ملتی ہوئی انہیں بے چین سی

لگ رہی تھی۔

''کیا بات ہے سفینہ! تم ابھی تک جاگ رہی ہو، کوئی پریشانی ہے کیا؟''

سالار خان نے خود ہی پوچھ لیا۔ لہجہ نرم اور شیریں تھا جو ہمیشہ اسے شرمندگی سے دوچار کر دیتا تھا۔ اب بھی وہ اس نرم مروی پر خود سے نادم ہوگئی۔

''سالار! مجھے..... طلاق چاہیے۔'' اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

''کیا؟'' انہوں نے حیران ہو کر اس کے چہرے کو دیکھا۔

''ہاں اور اگر تم مجھے طلاق نہیں دو گے تو میں عدالت سے رجوع کروں گی۔''

''میرا خیال ہے کہ پہلے تم اپنے والدین کی عدالت سے رجوع کر لو۔ اگر انہیں تمہارے اس فیصلے پر کوئی اعتراض نہ ہوا اور انہوں نے سائرہ باجی کی خوشیوں کی ضمانت دے دی تو میں تمہارا مطالبہ پورا کرنے کا سوچ سکتا ہوں۔'' انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

''میں سوچ چکی ہوں مجھے اب کسی دوسرے کے اقرار یا انکار کی ضرورت نہیں ہے۔ امی اور ابا اگر نہیں مانیں گے تو بھی میں عدالت سے رجوع کر لوں گی۔ میں اب مزید تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔'' اس نے سخت اور قطعی لہجے میں کہا۔

''تم پہلے بھی میرے ساتھ کب تھیں اور اب تم کس کے ساتھ رہنا چاہتی ہو؟'' انہوں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''کک۔ کیا مطلب ہے تمہارا؟'' وہ سٹپٹا کر بولی۔

''مطلب صاف ظاہر ہے سفینہ بیگم۔ یا تو آپ حد درجہ حماقت کرنے جا رہی ہیں یا پھر کسی نے آپ کو آپ کے بانجھ پن اور طلاق یافتہ ہونے کے باوجود قبول کرنے کا اقرار کیا ہے اور تو کوئی وجہ نہیں ہو سکتی اس مطالبے کی۔'' سالار خان نے نہایت سنجیدگی سے بالکل صحیح تجزیہ اخذ کیا اس کے مطالبے کا۔

وہ بری طرح سٹپٹا گئی مگر سنبھل کر بولی۔ ''تم مجھے طلاق دو گے یا نہیں۔''

''میں اصل بات جاننا چاہتا ہوں۔'' انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں نے تم سے کبھی کوئی

مطالبہ نہیں کیا۔ بچے نہ ہونے پر تم سے شکوہ نہیں کیا، تمہیں دوش نہیں دیا یتیم بچے کو تم ایڈاپٹ کرنے کے حق میں نہیں تھیں سو میں نے دوبارہ تم سے اس کا ذکر بھی نہیں کیا۔ تم جو چاہتی کرتی ہو، جہاں چاہتی جاتی ہو، جیسے چاہتی ہو، ہو جاتا ہے۔ اپنی مرضی سے خرچ کرتی ہو۔ میں نے تمہیں کبھی نہیں ٹوکا۔ پھر یہ جاننے کے باوجود طلاق یافتہ عورت ہمارے معاشرے میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی، اس پر یہ کہ وہ بانجھ بھی ہو تو اسے کوئی شخص اپنی زندگی میں شامل نہیں کرتا اور اپنے خاندان کا تمہیں علم ہی ہے کہ طلاق یافتہ عورت کی دوبارہ شادی نہیں کی جاتی۔ پھر تم یہ مطالبہ کس آس پر کر رہی ہو، کسی بال بچے دار شخص نے تمہیں پرپوز کیا ہے؟ اور کیا وہ شخص ریاض ہے؟''

''ہاں وہ ریاض ہی ہے۔'' سفینہ کو ان کے صحیح اندازے پر چند لمحے کو تو سکتہ سا ہو گیا پھر ہکلا کر کہا اور اس سے ملاقات کی روداد کہہ سنائی۔

''میں جانتا ہوں کہ تم ریاض کو کبھی نہیں بھول سکیں۔ انسان اپنی پہلی محبت کو کبھی نہیں بھولتا۔ خواہ وہ مرد ہو خواہ وہ عورت تم نے بھی ہمیشہ مجھ سے ریاض کو تلاش کیا تھا اور میں جسے تمہاری وجہ سے تمہارے گھر والوں کی وجہ سے کھو چکا ہوں اسے تم میں تو کسی اور لڑکی میں بھی تلاش نہیں کر سکا۔ خیر میں پہلے ریاض سے خود ملوں گا۔ تم سے شادی کی بات کس حد تک سنجیدہ اور نیک نیتی پر مبنی ہے یہ میں جاننے کے بعد ہی تمہیں طلاق دوں گا۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ تم طلاق کا داغ بھی اپنے ماتھے پر لگوا لو اور ریاض بھی تمہارا ہاتھ پکڑنے سے انکار کر دے۔ ایسی صورت میں تم بہت تنہا رہ جاؤ گی اور تنہائی کسی عذاب سے کم نہیں ہوتی۔ اب تم جاؤ اور اطمینان سے سو جاؤ۔ صبح تم ریاض سے میری ملاقات کروانا اور اپنے والدین سے بھی بات کر لینا۔ وہ نہیں مانیں گے تو میں انہیں منا لوں گا۔'' انہوں نے بے حد سنجیدگی اور نیک نیتی سے کہا۔

''تھینک یو۔'' اس نے متشکر لہجے میں کہا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اگلے روز سالار خان نے ریاض سے ملاقات کی۔ اپنی پوری تسلی کی۔ اس کی یقین دہانی کے بعد اس نے اقتدار خان اور زرینہ خاتون کو سفینہ کے فیصلے سے آگاہ کیا تو وہ ہی نہیں سفینہ کے والدین اور بھائی بھی بھڑک اٹھے۔

''تم سفینہ کو سمجھاؤ، حماقت کر رہی ہے وہ۔ ایسا ہمارے خاندان میں کبھی نہیں ہوا۔'' ابرار خان نے غصیلے لہجے میں سالار خان سے کہا۔

''تو اب ہو جانے دیجیے چاچا سائیں! آخر آپ لوگ کب تک انسانی زندگیوں سے، ان کے جذبات سے کھیلتے رہیں گے۔ آپ نے بھی اپنی مرضی سے خاندان سے باہر شادی کی ہے۔ آپ اپنی بیٹی کی خوشی کے لیے اپنی فضول روایات کو توڑ نہیں سکتے۔ وہ بچوں کے ساتھ خوش رہے گی۔ اس کی ممتا کی پیاس بھی بجھ جائے گی اور اس کی پسند کا ساتھی بھی اس کا ہم سفر ہوگا تو وہ آپ کو دعائیں دے گی۔ آپ انکار کر دیں میں اسے طلاق نہیں دوں گا تو بھی وہ عدالت کے ذریعے مجھ سے خلع مانگ لے گی۔ چاچا سائیں! آپ اپنے رویے میں اپنے فیصلوں میں لچک پیدا کریں۔ اپنی طاقت کے بل بوتے پر ریاض سفینہ کو روکنے یا ڈرانے دھمکانے کا ارادہ بھی مت کریں۔ خدا کے لیے چاچا سائیں، اب تو انسانوں اور انسانی جذبوں کا، رشتوں کا خون کرنا بند کر دیں۔ اپنی اولاد کی خوشی کے لیے تو آدمی اپنی خوشی اور زندگی تک داؤ پر لگا دیتا ہے۔ کیا آپ اتنا بھی نہیں کر سکتے۔ عدالت کے ذریعے بدنامی الگ ہوگی۔ آپ یہ معاملہ گھر میں ہی طے کر لیں تو کیا برا ہے۔ انسان کو انسان کی نظر سے دیکھیں اور پرکھیں۔ یہ دولت اور جاگیری کی عینک اتار دیں۔ اب اپنی آنکھوں سے، بہت ظلم ہو چکا ہے۔ اس کی وجہ سے۔'' سالار خان نے نہایت سنجیدہ لہجے میں کہا۔

وہ کچھ دیر کو تو چپ ہو گئے اور پھر کئی سوال کئی اعتراض اٹھائے۔

اقتدار خان کو سفینہ کی جائیداد بھی اس ساتھ جاتی دکھائی دے رہی تھی۔ انہوں نے سو طرح سے جرح کی مگر سالار خان کی مدلل اور معقول باتوں کا انہیں قائل ہونا ہی پڑا۔ سالار خان نے ان سب کو بالآخر اپنی فہم و فراست سے قائل کر ہی لیا اور سفینہ کا طلاق دے دی اور جب وہ عدت پوری کر کے جانے لگی تو سالار خان نے سنجیدگی سے اس سے کہا۔

''سفینہ! اب اگرچہ تمہارا اور میرا پہلے والا رشتہ نہیں رہا مگر تم میری فرسٹ کزن ہو۔ یہ رشتہ ہمارے درمیان ہمیشہ قائم رہے گا اور جو تعلق ساڑھے تین برس تک تمہارے اور میرے درمیان رہا ہے

اس کے ناطے سے میں تم سے اتنا ضرور کہنا چاہوں گا کہ تم ریاض کے بچوں کو اپنے بچے سمجھنا۔ انہیں ماں کا پیار دینا، انہیں سوتیلی ماں کا احساس تک نہ ہونے دینا۔ تم ریاض کو چاہتی ہو اور جسے انسان چاہتا ہو، اس کی ذات سے وابستہ ہر شخص سے، ہر ہستی سے محبت ہوتی ہے۔ اسی طرح تمہیں بھی صرف ریاض سے نہیں اس کے بچوں سے بھی محبت ہوگی تو تم ریاض کی ہی نہیں بچوں کی محبت بھی پالو گی۔ اب بہت سمجھ داری سے گھر داری سنبھالنا کہ ریاض کو یا تمہیں اس فیصلے پر کبھی کوئی پشیمانی یا پچھتاوا نہ ہو۔"

"شکریہ سالار۔" سفینہ نے تشکر آمیز اور پُرنم لہجے میں کہا۔

"سالار! تم بہت اچھے انسان ہو۔ میں نے تمہیں چاہا تھا لیکن جب مجھے پتا چلا کہ تم "گل چاندنی" کو چاہتے ہو تو میری چاہت، نفرت اور غصے میں بدل گئی تھی۔ مجھے ریاض کے بعد تمہیں بھی کھو دینے کا شدید رنج تھا اور اس لیے میں تم سے کبھی اچھا اور نرم دوستانہ رویہ نہ اپنا سکی۔ میں نے تمہاری "چاندنی" کو بھی برا بھلا کہا تھا۔ اسے ہرٹ کیا تھا اور یقیناً قدرت نے مجھے اس کا دل دکھانے کی، اسے تم سے جدا کرنے میں اپنا کردار ادا کرنے کی سزا ماں نہ بن سکنے کی صورت میں دی ہے۔ سالار! ہو سکے تو تم میری تمام زیادتیاں معاف کر دیا۔ اور اگر کبھی کہیں تمہیں چاندنی مل جائے تو میری طرف سے اس سے بھی معافی مانگ لینا۔ میں دعا کروں گی کہ خدا تمہیں تمہاری چاندنی سے ملا دے۔ چلتی ہوں خدا حافظ۔"

سفینہ تو اپنی بات مکمل کر کے چلی گئی مگر "گل چاندنی" کے ذکر نے سالار خان کے سوئے ہوئے درد کو پھر سے جگا دیا۔ وہ بے قرار ہو گئے۔

"چاندنی! کہاں ہو تم؟" ان کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

سفینہ کی شادی نہایت سادگی سے ریاض سے ہو گئی۔ سفینہ کو اس کے حصے کی جائیداد بھی شادی کے تحفے کے طور پر دے دی گئی اور یہ حیرت انگیز کارنامہ بھی سالار خان کی کوشش سے انجام پایا تھا۔ سفینہ اپنے گھر کی ہو گئی اور ابرار خان کی دوسری بیوی نے ان سے جائیداد میں اپنا حصہ مانگا اور ابرار خان کے انکار پر لڑ جھگڑ کر میکے چلی گئی۔ ابرار خان نے اس کے عدالت سے خلع کے نوٹس کے خدشے کے پیش نظر خود ہی اسے طلاق دے دی۔

امینہ خاتون کے لیے تو یہ بہت خوشی کی بات ہوئی تھی، مگر ابرار خان کو شہر والی کوٹھی اپنی دوسری بیوی کو دینا پڑ گئی کیونکہ وہ انہوں نے شادی کے موقع پر ہی اسے گفٹ کر دی تھی۔ الیکشن شروع ہوئے، اقتدار خان کو اسرار خان دونوں اپنی اپنی آبائی نشستوں پر بہت بری طرح شکست سے دوچار ہو گئے۔ ابرار خان نے اس بار اپنے بیٹے کو الیکشن میں کھڑا کیا تھا مگر وہ بھی بری طرح ہار گیا تھا۔

اقتدار خان کے لیے تو یہ ڈوب مرنے کی بات تھی۔ وہ ہمیشہ سے اس سیٹ پر الیکشن جیتتے آئے تھے۔ ان کے ہارنے پر پارٹی قیادت نے انہیں لفٹ تک نہیں کرائی، الٹا انہیں ہی مورد الزام ٹھہرایا۔ جس سے دل برداشتہ ہو کر اقتدار خان نے پارٹی سے استعفیٰ دے دیا۔ اور اپنی علیحدہ سیاسی جماعت بنانے کا اعلان کر دیا جس میں ان کی طرح شکست خوردہ امیدوار شامل ہو گئے۔

سالار خان ساری صورت حال سے اس ماحول سے گھبرا کر امریکہ واپس چلے گئے اور دو سال تک پلٹ کر خبر تک نہیں لی۔ بزنس وہ وہاں بیٹھ کر بھی لک آفٹر کرتے رہے۔ امریکہ میں بھی انہوں نے اپنے بزنس کو پھیلا لیا تھا۔

دو سال بعد جب وہاں بھی دل نہیں لگا اور وطن کی ان گلیوں کی شادستانے لگی، ان راستوں کی دھول بے قرار کرنے لگی جہاں وہ اپنی ''چاندنی'' کے ساتھ گھوما کرتے تھے، جہاں ان کی محبت کی نشانیاں درختوں پر موجود تھیں تو وہ واپس پاکستان آ گئے اور اسلام آباد ائیر پورٹ سے سیدھا مری ریسٹ ہاؤس آ گئے جہاں وہ چاندنی کے ساتھ ہنی مون منانے آئے تھے۔

سفر کی تھکن اتارنے کے بعد وہ ان راستوں پر نکل آئے جہاں ان کی چاندنی ان کے ہم قدم تھی کبھی۔

وہ ان درختوں کو ڈھونڈتے ہوئے دور تک نکل آئے جس پر ان دونوں نے اپنے نام دل کی شکل میں کندھ کیے تھے۔ ایک ایک درخت ان کی محبت کی گواہی دے رہا تھا۔ اتنے برس گزر جانے کے باوجود ان دونوں کے نام درختوں کے دامن پر تحریر تھے۔ وہ دل تھام کر ایک ایسے ہی درخت کے پاس رک گئے جس پر ان کا اور ''گل چاندنی'' کا نام کندہ تھا۔

''چاندنی.....'' سالار خان نے اس کے نام پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بے قراری سے اسے پکارا۔

تمہارا اور میرا نام، جنگل میں درختوں پر ابھی لکھا ہوا ہے۔
تم کبھی جا کے مٹا آؤ
بہار آتی ہے لیکن ان درختوں پر نہیں آتی
ہمارے نام پڑھتی ہے تو واپس لوٹ جاتی ہے
یہی ہر بار ہوتا ہے
تمہارا اور میرا نم جنگل میں درختوں پر ابھی لکھا ہوا ہے
تم کبھی جا کے مٹا آؤ
وہ راستے جن پر مڑ کر کبھی نہ ہم آئے نہ تم آئے
اب آیا ہوں تو یہ کہتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں
اکیلے پھر نہیں آنا
تمہارا اور میرا نام جنگل میں درختوں پر ابھی لکھا ہوا ہے
تم کبھی جا کے مٹا آؤ

☆.....☆.....☆

وہ دل میں درد، آنکھوں آنسو اور روح میں بے قراری لیے واپس کراچی آ گئے۔ اب کی بار وہ اقتدار ولا میں نہیں گیا بلکہ ''چاندنی لاج'' میں جا کر ٹھہرے جو انہوں نے اپنی ''چاندنی'' کے لیے اس عرصے میں تعمیر کروائی تھی۔ نقشہ وہ خود بنوا کر دے گئے تھے۔ بہت خوب صورت گھر تھا اور وہ اسے ''چاندنی'' کے وجود سے مکمل ہوتا دیکھنا چاہتے تھے۔ چاندنی کہاں تھی۔ یہ ان کے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تھا۔ شدید کرب، کام کی زیادتی اور چاندنی کی جدائی کے بڑھتے دکھ نے انہیں بیمار کر دیا۔

وہ اس روز آفس میں کام کر رہے تھے جب اچانک ہی ان کے سینے میں شدید درد اٹھا۔ بائیں بازو میں بھی تکلیف محسوس ہوئی تو ان کے دوست اور مینجر عمر نے انہیں فوراً قریبی ہسپتال پہنچایا اور اس کے گھر اقتدار خان اور زرین خاتون کو فون پر اطلاع کر دی۔

وہ پریشانی کے عالم میں دوڑے چلے آئے۔ وہ انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں تھے۔ عمر نے انہیں بتایا کہ ڈاکٹرز انجائنا اسپیکٹ کر رہے ہیں۔

یہ جان کر ان دونوں کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ زرینہ خاتون تو باقاعدہ رونے لگیں۔ دہائی دینے لگیں۔

''ہمیں گل چاندنی کا دل دکھانے کی سزا ملی ہے۔ ارے ہم نے اس کم سن معصوم بچی کو کیسی بے دردی سے گھر سے نکالا تھا۔ سالار خان کی بیوی تھی، محبت تھی اس کی مگر ہم نے اپنے اکلوتے بیٹے کو اس کی محبت سے محروم کر دیا۔ آج ہمارا بیٹا اسی محبت کی جدائی میں تڑپ تڑپ کر اس حال میں پہنچ گیا ہے۔ یا اللہ! تو رحم کرنا۔ میرے سالار خان کو سلامت رکھنا، میرے بیٹے کو کچھ ہو گیا تو میں بھی زندہ نہیں رہوں گی۔ چھ سال سے وہ کس قدر اذیت..... سے دوچار ہے۔ ہم نے کبھی..... جاننے کی کوشش ہی نہیں کی اور وہ اندر ہی اندر ٹوٹ پھوٹ گیا۔ آج یہاں پہنچ گیا ہے۔ بہت ظالم اور خودغرض ماں باپ ہیں ہم۔

''بس کرو زرینہ بیگم! حوصلہ کرو اور اللہ سے دعا کرو کہ اللہ ہمارے گناہوں کی سزا ہمارے بیٹے کو نہ دے۔ ہمیں واقعی ''گل چاندنی'' سے بدسلوکی کی سزا ملی ہے۔ بزنس، سیاست، زمینداری سب گھاٹے میں جا رہے ہیں۔ بارش تین سال سے نہیں ہوئی۔ یہ سب قہر ہے خدا کا۔ خدا ہمیں معاف کرے اور ہمارے بیٹے کو لمبی زندگی دے۔ وہ بچی ہمیں مل جائے تو ہم اس سے..... معافی مانگ کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکیں گے۔ ہم اپنے بیٹے کے ہی نہیں خدا کے بھی مجرم ہیں۔'' اقتدار خان نے شکست خوردہ ندامت آمیز اور ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

سالار خان کی رپورٹس آ گئی تھیں۔ انہیں کام اور ڈپریشن کی زیادتی کے باعث مسکولر پین ہو گیا تھا۔ انجائنا کا خطرہ ٹل گیا تھا مگر ڈاکٹرز نے انہیں خوش رہنے اور آرام کرنے کی تاکید کی تھی ورنہ ان کے لیے بدستور ایسی صورت حال ہارٹ اٹیک کا سبب بھی ہو سکتی تھی۔

اقتدار خان اور زرینہ بیگم کے علاوہ سائرہ باجی اور ان کے سسرال والے بھی سالار خان کی خیریت پوچھنے ہسپتال آئے۔ وہ تو جیسے چپ سے ہو گئے تھے۔ اس کے اندر جینے کی امنگ ہی ختم ہو گئی

تھی۔ بدن میں تھکن ہی تھکن بھر گئی تھی۔

''سالار بیٹے! تم اکیلے کب تک رہو گے تم شادی کر لو بیٹا۔'' اقتدار خان نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے نرمی سے کہا۔ انہیں اپنی زیادتیوں کا احساس ہو گیا تھا اور وہ اس سے بہت شرمندہ بھی تھے۔

''شادی..... اب کس سے کر لوں؟'' وہ زخمی لہجے میں بولے۔

''جس سے تم کرنا چاہو خواہ وہ مغربی ہو، مشرقی ہو، جو بھی زبان بولتی ہو، جس بھی علاقے کی رہنے والی ہو۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ بس تم اپنا گھر بسا لو۔ سفینہ، سائرہ بھی اپنے اپنے گھروں میں خوش ہیں، آباد ہیں۔ ایک تم ہو جو تنہا ہو۔ بیٹے! تم شادی کر لو جس سے کہو گے ہم تمہاری شادی کرا دیں گے۔ خاندان میں یا خاندان سے باہر جس بھی لڑکی سے کہو گے ہم تمہاری شادی کرائیں گے۔'' اقتدار خان نے نرمی سے کہا۔ وہ اسے زندہ سلامت اور خوش دیکھنے کے لیے اپنی زیادتیوں اور غلطیوں کا اعتراف شرمندگی سے کھلے دل سے کر چکے تھے اس کے سامنے اس کے لیے اب کچھ بھی کرنے کو تیار تھے۔

''ہاں بیٹا! اپنی پسند تم ہمیں بتا دو۔'' زرینہ خاتون نے بھی پیار سے کہا۔

''میری پسند..... تو پھر جائیں میری چاندنی کو ڈھونڈ کر لائیں۔'' وہ دکھ بھرے لہجے میں بولے تو ان دونوں نے حیرت اور ندامت سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''بیٹا! ہم اگر ''چاندنی'' کو ڈھونڈ بھی لائیں تو بھی تمہاری شادی تو اس سے نہیں ہو سکتی نا۔ تم نے تو اسے طلاق دے دی تھی۔'' اقتدار خان نے کہا۔

''میں نے اسے طلاق نہیں دی تھی۔'' وہ دکھ سے چیخ اٹھے۔ ''آپ نے..... آپ سب نے مجھے مجبور کیا تھا۔ میں نے تو اسے طلاق نہیں دی تھی۔ چاندنی میری ہے۔ وہ..... اب بھی میری ہے۔ آپ اسے نہیں ڈھونڈ سکتے تو..... میں خود اسے ڈھونوں گا۔ میں اپنی ''چاندنی'' کو ڈھونڈوں گا۔ میں خود ڈھونڈوں گا۔''

''کہتا ہے، چاندنی کی جدائی کا صدمہ بہت زیادہ شدت اختیار کر گیا ہے۔ اسے تو دیوانگی کی حد تک ''چاندنی'' سے پیار ہے۔ اسے طلاق دینے کے باوجود اسے ڈھونڈنے کی بات کر رہا ہے۔ بھلا کیا

کرے گا یہ اسے ڈھونڈ کر۔"

اقتدار خان نے زرینہ خاتون کے پاس آ کر دھیمے دھیمے لہجے میں کہا۔ وہ رہتے ہوئے سالار خان کی صورت دیکھ رہی تھیں جو اپنے والٹ کی جیب میں رکھی گل چاندنی کی تصویر کو بڑی حسرت بھری نگاہوں سے دیکھے جا رہے تھے۔

"اللہ! میرے بچے کی حالت پر اپنا کرم کر دے۔" زرینہ خاتون نے روتے ہوئے دعا مانگی۔

وہ ایک ہفتہ ہسپتال میں رہنے کے بعد "چاندنی لاج" میں شفٹ ہو گئے۔ ان کا دل چاہا کہ وہ ان راستوں میں اس وادی میں دوبارہ جائے جہاں اسے چاندنی ملی تھی۔

اور پھر وہ سامان باندھ کر ایک پرانے ملازم کے ساتھ اس وادی میں چلے آئے۔ وہاں بھی "گل چاندنی کی یادیں بکھری ہوئی تھیں مگر وہ کہیں نہیں تھی۔ وہ پشاور آ گئے جہاں سے اس نے میڈم آمنہ کا پتا کیا۔ ان کے ذریعے انہیں "گل چاندنی" کے متعلق کچھ معلومات مل سکتی تھیں۔

مگر انہیں وہاں جا کر یہ جان کر بہت مایوسی ہوئی کہ میڈم آمنہ کا ٹرانسفر ہو گیا ہے۔ کہاں یہ وہ تعطیلات کی وجہ سے معلوم نہیں کر سکے۔

"چاندنی! مل جاؤ چاندنی۔ بہت تھک گیا ہوں۔ کہاں تلاش کروں تمہیں کہاں چلی گئی ہو تم۔ دیکھو، محسوس کرو میں تمہاری تلاش میں کہاں کہاں بھٹکتا پھر رہا ہوں۔ اب تو ایک ایک سانس موت کا ذائقہ چکھانے لگی۔ یہ اذیب اب سہی نہیں جاتی۔ اب تو مل جاؤ چاندنی، اب تو میرے پاس آ جاؤ۔"

وہ اسی کی تصویر سے باتیں کر رہے تھے۔ آنکھیں اشکوں کے سمندر لٹا رہی تھیں۔ وہ صوبہ سرحد کے خوب صورت اور سرسبز علاقے میں موجود تھے۔ ایک ہوٹل میں انہوں نے ایک کمرہ بک کرا رکھا تھا۔ فجر کی نماز کے لیے وہ قریبی مسجد میں گئے۔ نماز کی ادائیگی کے بعد لوگ واپس چلے گئے اور چند بچے مولوی صاحب سے قرآن پڑھنے کے لیے وہیں سپارے کھول کر بیٹھ گئے۔

سالار خان بھی نماز پڑھ کر اپنی جگہ پر بیٹھے رہے اور درود شریف کی تسبیح کرتے ہوئے اچانک ان کی نظر دو بہت ہی معصوم اور خوب صورت بچوں پر پڑی تو تسبیح پھیرتے پھیرتے ان کی انگلیوں کی حرکت

خود بخود تھم گئی۔ دل میں ایک نامعلوم جذبے نے انگڑائی لی۔ وہ سب کچھ بھول بھال کر ان بچوں کو ہی دیکھنے لگے۔

بچوں کی نظر اس پر پڑی تو ایک لمحے کو وہ دونوں بھی بری طرح چونکے اور ایک دوسرے کے کان میں کچھ کہا اور اثبات میں سر ہلایا۔ مولوی صاحب کے متوجہ کرنے پر وہ دوبارہ سپارے پر جھک گئے۔ ایک بچے کا رنگ دودھ کی طرح سفید تھا اور آنکھیں اس کی ''چاندنی'' کی آنکھوں جیسی نیلی اور روشن تھیں۔ سفید کرتے پاجامے میں سر پر جالی والی سفید ٹوپیاں پہنے دونوں بچے ہی بہت مقدس فرشتے دکھائی دے رہے تھے۔ دوسرے بچے کی رنگت گندم کے تازہ تازہ خوشوں جیسی سنہری چمک دار کھلی کھلی تھی۔ یہ رنگت سالار خان کی بھی تو تھی۔ آنکھیں اس بچے کی بھی سیاہ چمک دار تھیں سالار خان کی آنکھوں کی طرح۔ سالار خان کے دل میں ایک ہلچل، ایک بے چینی پھیلتی جا رہی تھی۔ ان کا بے اختیار یہ دل چاہا کہ وہ دونوں بچوں کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیں اور خوب پیار کریں۔ انہیں اپنی اس کیفیت کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ ایسا کیوں چاہ رہے ہیں۔

بچے قرآن پاک پڑھ کر اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے۔ سورج اپنی کرنیں بکھیرنے لگا تھا۔ وہ دونوں بچے جونہی سالار خان کے قریب پہنچے انہوں نے بے اختیار اور بے ارادہ اپنی بانہیں پھیلا دیں اور وہ معصوم فرشتوں جیسے بچے بھی مسکاتے ہوئے غیر مرئی طاقت کے زیر اثر ان کی بانہوں میں آ سمائے۔

سالار خان نے ان دونوں کی پیشانی چومی اور انہیں اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ انہیں بہت سکون، بہت سرور مل رہا تھا۔

''بیٹے! آپ کا نام کیا ہے؟'' سالار خان نے نیلی آنکھوں والے بچے سے پوچھا۔

''ہمارا نام شیر یہے۔''

''اور بیٹے، آپ کا کیا نام ہے؟'' انہوں نے دوسرے بچے سے پوچھا۔

''ہم اسفند ہیں۔'' دوسرے بچے نے بتایا۔

''ہمارا، ہم۔'' اس نے زیر لب دہرایا۔ ان کے کانوں میں ماضی کی صدا گونجی۔ ''ہم گل چاندنی

ہیں..... ہمارا نام گل چاندنی ہے۔"

"بہت پیارے نام ہیں آپ دونوں کے۔ آپ کہاں رہتے ہیں؟"

"ہم ادھر ہی رہتے ہیں۔ گرین کاٹیج میں۔" دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

"گرین کاٹیج۔" انہوں نے چونک کر کہا۔ "یہ تو چاندنی کی پسند تھی۔"

"بیٹے! آپ یہاں کس کے ساتھ آئے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"ہم اپنے نانا ابو کے ساتھ آئے تھے۔ وہ باہر واک کر رہے ہوں گے۔ ہم روز ان کے ساتھ ہی آتے ہیں۔" دونوں نے پھر ایک ساتھ جواب دیا۔

"آپ دونوں ہمیشہ ایک ساتھ ہی بولتے ہیں۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑے اور ان کی ہنسی میں انہیں گل چاندنی کی کھنک اور معصومیت محسوس ہوئی۔ ان کی اندرونی حالت بہت عجیب ہو رہی تھی۔

"ہم دونوں ایک ساتھ ہی پیدا ہوئے تھے۔ ہم اس لیے اکثر اکٹھے بولتے ہیں۔ ہماری ماما بھی ہمیں کہتی ہیں کہ الگ الگ بولا کریں۔" دونوں نے پھر ایک ساتھ جواب دیا تو انہیں بھی ہنسی آ گئی۔

"انکل! آپ کی شکل ہمارے بابا جان سے بہت ملتی ہے۔"

اب کی بار شیری نے اکیلے بات کی تو انہوں نے بے تاب ہو کر پوچھا۔

"اچھا! آپ کے بابا جان کہاں ہیں۔"

"وہ امریکہ میں ہیں، پڑھتے ہیں۔ ہم سے بہت پیار کرتے ہیں اور ہمارے لیے بہت سارے گفٹس بھی بھیجتے ہیں۔" اسفند نے بہت خوشی سے بتایا۔

"اور..... اور آپ کی ماما..... وہ کیا کرتی ہیں؟"

"وہ کالج میں پڑھاتی ہیں۔" دونوں نے ایک ساتھ جواب دیا۔

"چاندنی نے تو ایف اے کا ایگزام دیا تھا۔ کالج لیکچرار کیسے بن سکتی ہے وہ۔ اور ان بچوں کے والد امریکہ میں رہتے ہیں۔ ان کے لیے گفٹس بھیجتے ہیں۔ ان کے نانا بھی ہیں، جبکہ چاندنی کے والدین تو

انتقال کر چکے تھے۔ پھر یہ مجھے کیوں اپنے اپنے سے محسوس ہو رہے ہیں۔'' سالار خان نے دل میں کہا۔

''انکل! آپ یہاں نئے آئے ہیں؟'' اسفند کے سوال نے اس کو چونکا دیا۔

''جی بیٹے! میں یہاں نیا آیا ہوں۔ مہمان ہوں۔''

''ہم تو سمجھے تھے کہ آپ ہمارے.....'' وہ دونوں بولتے بولتے خاموش ہو گئے۔

''بولیں نا بیٹا، آپ مجھے کیا سمجھے تھے؟'' سالار خان کی بے تابی دیدنی تھی۔

''اپنے بابا جان۔''

''آپ بھی تو مجھے میرے بچوں جیسے لگ رہے ہیں۔ بیٹے! آپ کی ماما کا نام کیا ہے؟''

''وہ تو ہم نہیں بتائیں گے۔'' دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

''ماما کہتی ہیں کہ کسی غیر آدمی کو کبھی اپنی ماما اور بہنوں کا نام نہیں بتانا چاہیے۔''

''صحیح کہتی ہیں آپ کی ماما۔'' انہوں نے باری باری دونوں کو پیار کیا۔

''انکل! اب ہم جائیں۔ دیر ہو گئی تو ماما پریشان ہوں گی۔'' اسفند نے کہا۔

''بیٹے! آپ دوبارہ کب آئیں گے یہاں؟'' ان کا دل چاہ رہا تھا کہ انہیں اپنے ساتھ لے جائیں۔

''ہم شام کو کو چنگ سینٹر جاتے ہیں۔ زوار کو چنگ سینٹر۔ ہمارے نانا ابو کا ہے نا۔ آپ بھی ادھر آ جایئے گا پھر ہم شام کو ملیں گے۔'' شیری نے بتایا۔

''آپ دونوں جوڈو کراٹے بھی سیکھ رہے ہیں۔'' سالار خان نے حیرت سے پوچھا۔

''جی انکل، ہم بہت اچھی کراٹے جانتے ہیں۔ ایک سال ہو گیا ہے ہمیں سیکھتے ہوئے۔ ہمارے پاس بیلٹس بھی ہیں۔ ہم آپ جتنے بڑے آدمی کو بھی گرا سکتے ہیں۔'' اسفند نے بڑے فخر سے بتایا۔

''اچھا۔'' وہ ہنس پڑے۔ ''بھئی اتنے پیارے بچے اتنے خطرناک کام کرتے ہیں۔ آپ میں یہ شوق کیسے پیدا ہوا۔ ابھی تو آپ بہت چھوٹے ہیں؟''

''ماما کہتی ہیں کہ ہر انسان کو اتنا طاقتور، بہادر اور ماہر ہونا چاہیے کہ وہ وقت پڑنے پر ''خالی ہاتھ'' سے بھی پانے دشمن کا مقابلہ کر سکے۔ اپنی حفاظت خود کر سکے اور دوسروں کی مدد بھی کر سکے۔ اس لیے ماما نے

ہمیں نانا ابو سے کہہ کر ''کوچنگ سینٹر'' میں داخل کرا دیا تھا۔ ہمیں بھی بہت مزا آتا ہے کراٹے سیکھنے میں۔''

شیری نے تفصیل سے صاف گوئی اور معصومیت سے بتایا۔

''آپ کی ماما بہت سمجھ دار معلوم ہوتی ہیں بیٹے! کیا میں آپ کی ماما سے مل سکتا ہوں؟''

''نہیں انکل، ہماری ماما پردہ کرتی ہیں اور غیر مردوں سے نہیں ملتیں۔'' اسفند نے بتایا تو انہیں ''گل چاندنی'' کا حجاب میں چھپا چہرہ یاد آ گیا۔

''ان کی ماما میری ''چاندنی'' کی خصوصیات اور عادات کی حامل کیوں ہیں؟'' انہوں نے دل میں سوچا۔

''اچھا انکل، ہم اب چلتے ہیں۔ خدا حافظ۔''

''خدا حافظ بیٹا۔ اللہ آپ کی عمر دراز کرے۔ جیتے رہیے۔'' سالار خان نے دونوں کی پیشانی باری باری چومی اور پُرنم آنکھوں سے انہیں رخصت کیا۔ خود بھی چلتے ہوئے باہر آ گئے اور جب تک وہ دونوں بچے اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئے۔ وہ انہیں جاتا دیکھتے رہے۔ ان کے سینے میں ایک بے چینی اور بے قراری پھیلتی جا رہی تھی۔ وہ وہیں گھاس پر بیٹھ گئے۔

''میں نے اب تک سینکڑوں بچے دیکھے ہیں نیلی اور کالی آنکھوں والے لیکن ایسی کشش ایسی بے چینی، ایسی اپنائیت کا احساس مجھے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ آخر ان بچوں میں کوئی تو بات ہے جو یہ مجھے میرے بچے لگ رہے تھے۔ شیری تو بالکل ''چاندنی'' کا عکس ہے اور اسفند ہو بہو میرا پرتو..... کیا میرے اور میری ''چاندنی'' کے بچے نہیں ہو سکتے؟ ہو سکتے ہیں۔ دو ماہ کا میرا اور چاندنی کا محبت بھرا ساتھ۔ وہ قرب کے لمحات، وہ میرے جذبوں کی شدت، دیوانگی اور والہانہ پن، جس نے ''چاندنی'' کے چہرے پر خوشی کے کتنے پھول کھلا دیئے تھے۔ کتنے رنگ سجا دیئے تھے۔ ان لمحوں کا ان قربتوں اور محبتوں کا کوئی رنگ، چاندنی کے اندر بھی تو اترا ہو گا۔ اسفند اور شیری کا رنگ۔ ایسا ناممکن تو نہیں ہے نا۔'' سالار خان کے ذہن و دل میں سوچوں اور سوال و جواب کا سلسلہ دیر تک چلتا رہا۔ وہ ان دونوں بچوں سے دوبارہ ملنے کے لیے بہت زیادہ بے تاب ہو رہے تھے۔ شام کا انتظار انہیں بہت طویل محسوس ہو رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

''ماما چاندنی، ماما چاندنی، ہم آ گئے ماما چاندنی۔'' اسفند اور شیری اسے پکارتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے تو وہ مسکراتی ہوئی کچن سے باہر نکلی اور اپنی دونوں بانہیں پھیلا دیں۔ وہ دونوں اس کی ممتا بھری آغوش میں آ سمائے۔

''سبق سنایا تھا مولوی صاحب کو۔''

''جی ماما! صحیح صحیح سنایا تھا اور اگلا سبق بھی مل گیا ہے ہمیں۔'' دونوں نے ایک ساتھ بتایا تو اسے ان کے کپڑوں میں سے گل یاسمین کی خوشبو اٹھتی ہوئی محسوس ہوئی۔ بہت مانوس سی خوشبو تھی، سالار خان کی خوشبو سمیت۔

''بیٹے! آپ نے آج تھوڑی سی دیر نہیں کر دی آنے میں۔'' اس نے پیار سے کہا۔

''وہ..... ماما..... ہمیں ہمارے دوست مل گئے تھے۔'' دونوں نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھا اور جیسے ہی ایک خیال ان کے ذہنوں میں آیا تھا ایک ساتھ بولے۔

''دوست مل گئے تھے تو کیا پہلے کھو گئے تھے آپ کے دوست؟''

''نہیں ماما! وہ یہاں نئے آئے ہیں۔ بالکل بابا جان جیسے ہیں وہ انکل۔'' شیری نے بتایا تو اس کا دل بے چین ہو کر دھڑکا۔ اس نے دونوں سے سپارے لے کر کارنس پر رکھ دیئے اور انہیں ڈائننگ ٹیبل پر لاتے ہوئے بولی۔

''بیٹے! آپ کو تو ہر دوسرے انکل اپنے بابا جان جیسے دکھائی دیتے ہیں۔''

''نہیں ماما چاندنی، وہ پورے کے پورے ہمارے بابا جیسے ہیں۔ مسجد میں ہمیں دیکھتے جا رہے تھے پھر جب ہم آنے لگے تو انہوں نے آپ کی طرح بازو پھیلا کر ہمیں اپنے سینے سے لگایا اور بہت پیار کیا ایسے جیسے آپ ہمیں پیار کرتی ہیں۔'' شیری نے خوشی خوشی بتایا اور ساتھ ہی اسفند شروع ہو گیا۔

''جی ماما چاندنی! وہ انکل رو رہے تھے۔ کہہ رہے تھے آپ میرے بچوں جیسے ہیں۔ اور پتا ہے ماما، ان کے ماتھے پر بھی تل ہے جو تل میرے ماتھے کی دائیں سائیڈ پر ہے نا۔ ان کے بھی دائیں سائیڈ پر ہے۔''

''بہت غور سے دیکھا ہے آپ نے ان انکل کو۔'' گل چاندنی نے دل میں اٹھتی بے قراریوں کو

بمشکل تھپکی دے کر مسکراتے ہوئے اس کے سامنے فرائی انڈا رکھتے ہوئے کہا۔

''ہم ان کے بہت قریب جو تھے۔'' اسفند نے انڈے کی زردی چھری اور کانٹے سے علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ ہمیشہ سفیدی چھوڑ دیتا تھا بالکل سالار خان پر، اپنے باپ پر گیا تھا۔ اسی کی ساری عادتیں تھیں اس میں۔ اور کچھ شیری میں بھی۔

''پتا ہے ماما! ان سے مل کر ہمیں لگا جیسے وہ ہمارے بابا جان ہوں۔ وہ تصویروں والے بابا جان ہی تھے لیکن پتا نہیں کیوں انہوں نے ہمیں صحیح طرح نہیں پہچانا۔'' شیری نے ڈبل روٹی کا ٹکڑا منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

اسفند نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''وہ ہمیں آزما رہے ہوں گے بھائی۔ کہ ہم انہیں پہچانتے بھی ہیں کہ نہیں۔''

''ہاں۔ مگر اسفند یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ بابا جان کو گھر کا راستہ بھول گیا ہو۔ وہ اتنے بہت سارے سالوں بعد یہاں واپس آئے ہیں۔''

''ہاں ایسا بھی ہوسکتا ہے لیکن ہماری شکلیں تو نہیں بھول سکتے نا وہ۔''

اسفند نے پرسوچ انداز میں کہا۔

گل چاندنی جوان دونوں کی باتیں بہت حیرانگی اور بے چینی سے سن رہی تھی۔ اندر ہی اندر تڑپنے لگی۔

''افوہ اسفند، شیری بیٹے! یہ کیا ذکر لے کر بیٹھ گئے آپ۔ چلیں شاباش ناشتہ کریں اور اسفند بیٹے! یہ کیا آپ نے سفیدی مگر چھوڑ دی۔ بالکل اپنے بابا جان کی عادت اپنائی ہے وہ بھی صرف زردی کھاتے تھے اور سفیدی بچا دیتے تھے۔'' گل چاندنی نے اسفند کی پلیٹ میں بچی سفیدی کو دیکھ کر کہا۔ تو وہ ہنس کر بولا۔

''آپ کے لیے نا۔''

''نائی بوائے چلو ناشتہ کرو۔'' گل چاندنی نے ہنستے ہوئے اس کے بال بکھیر دیئے۔

''لو شیری، یہ تم کھالو۔ مجھے تو صرف زردی اچھی لگتی ہے۔'' اسفند نے اپنی پلیٹ اس کے پاس رکھی تو اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں ماما چاندنی کی طرح سفیدی شوق سے کھاتا ہوں اور تم بابا جان کی طرح زردی۔ آخر ہم دونوں اپنے ماما اور بابا جان کے بیٹے ہیں۔ ہے ناں ماما۔''

''جی ماما کی جان! چلیں اب جلدی سے ناشتہ ختم کریں۔ اس کے بعد ہوم ورک بھی کرنا ہے اور یاد ہے نا آپ کو، آج آپ دونوں کی سالگرہ ہے شام کو۔ جب آپ کو چنگ سینٹر سے واپس آجائیں گے تب ہم سب مل کر کیک کاٹیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ جی ماما چاندنی، آئی لو یو ماما چاندنی۔'' دونوں نے خوش ہو کر ایک ساتھ کہا۔ تو وہ محبت سے انہیں دیکھتے ہوئے مسکرادی۔ ماضی کے یادوں سے پردے خود بخود اٹھنے لگے۔

☆.....☆.....☆

وہ ریل گاڑی سے اپنا سفری بیگ اور سوٹ کیس لے کر نیچے اتری۔ اچانک ہی اس کی نظر اپنی خالی کلائی پر پڑی تو اس کے دل پر ایک گھونسا لگا۔ سالار خان کی محبت کی نشانی وہ کنگن اس سے کھو گئے تھے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''سالار! آپ تو چھوٹے ہی ہیں لیکن آپ کی محبت کی نشانی وہ کنگن بھی مجھ سے کھو گئے ہیں۔ آئی ایم سوری سالار، میں آپ کی اس محبت بھری نشانی کی حفاظت نہیں کر سکی۔ اسے سنبھال نہیں سکی۔ میں تو ابھی تک خود کو بھی سنبھال نہیں سکی۔'' وہ دل ہی دل میں سالار خان سے مخاطب تھی۔ پلیٹ فارم پر اس نے نظریں دوڑا کر پانی کا نلکا تلاش کیا۔ اپنا چہرہ دھویا، پانی پی کر ٹیکسی لی اور اسے قریبی ہسپتال پہنچانے کا کہا۔ ٹیکسی والے نے اسے ڈاکٹر زبیدہ کے کلینک کے قریب اتار دیا۔ کلینک بند ہونے والا تھا۔ وہ ملازم سے بات کر کے ڈاکٹر زبیدہ کے پاس اپنے چیک اپ کے لیے آگئی۔ سامان اس نے وہیں ڈاکٹر زبیدہ کے آفس میں رکھ دیا تھا۔

''کتنا عرصہ ہوا ہے آپ کی شادی کو؟'' ڈاکٹر زبیدہ نے اس کا معائنہ کرنے کے بعد پوچھا۔

''جی، دو ماہ ہوئے ہیں۔'' اس نے اس سوال پر حیران پریشان ہو کر جواب دیا۔

''لگتا ہے کہ آپ کو اور آپ کے شوہر کو بچوں سے بہت پیار ہے۔''

''جی، وہ تو ہے ڈاکٹر صاحبہ۔ بچوں سے کسے پیار نہیں ہوتا؟''

''درست کہا آپ نے، تو آپ کو اس پیار کا صلہ اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں دیا ہے کہ آپ ماں بننے والی ہیں۔ اب آپ اپنے بچوں سے پیار کر سکیں گی۔''

ڈاکٹر زبیدہ نے مسکراتے ہوئے یہ حیرت انگیز خبر سنائی تو جیسے اس کے چار سو حیرت اور مسرت کے سوتے پھوٹ پڑے ہوں۔ وہ بے یقینی کے عالم میں انہیں دیکھ رہی تھی۔ حیرت اور حیا اس کے چہرے سے عیاں ہو رہی تھی۔

''جی..... مم..... میں ماں بننے والی ہوں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' اس نے حیرانگی سے معصومیت سے کہا تو ڈاکٹر زبیدہ کو اس کی معصومیت پر بے اختیار ہنسی آ گئی۔

''بھئی آپ کی شادی ہوئی ہے تو یہ تو ہونا ہی تھا نا۔ آپ کے شوہر کہاں ہیں؟''

''وہ..... تو امریکہ چلے گئے ہیں کل کی فلائٹ سے اور میں یہاں اپنے میکے رہنے کے لیے آئی ہوں کچھ عرصے تک.....'' گل چاندنی کو جھوٹ بولنا پڑا۔ اپنا بھرم بھی تو قائم رکھنا تھا۔ اپنی بربادی کا قصہ وہ ہر کسی کو سنانا نہیں چاہتی تھی۔

''تو انہیں یہ خوشخبری سنا دیجیے، وہ دوڑے چلے آئیں گے یا آپ کو بھی اپنے پاس بلوا لیں گے۔'' ڈاکٹر زبیدہ نے قدرے شوخ لہجے میں کہا تو اس کے لبوں پر شرمیلی مسکان پھیل گئی۔ اس مسکان کے پیچھے جو درد چھپا تھا اس سے صرف وہی آگاہ تھی۔

''یہ ٹانک آپ استعمال کرتی رہیں۔'' ڈاکٹر زبیدہ نے پرچی پر اسے ٹانک کا نام لکھ کر پرچی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''آپ کی حالت سے تو یوں لگتا ہے کہ شوہر کی جدائی کے غم میں آپ نے دو تین دن سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں ہے۔ اب یہ لاپروائی آپ کے لیے درست نہیں ہو گی۔ آپ اپنی غذا کا خاص خیال رکھیں۔ آپ کو اس ٹانک سے زیادہ خوشی اور متوازن غذا کے ٹانک کی ضرورت ہے۔

خوش رہیں، آرام کریں، غذا کا خاص خیال رکھیں اور ہر ماہ اپنا معائنہ کراتی رہیں۔ آپ تو ابھی بہت کم عمر ہیں، اتنی جلدی فیملی بڑھانے کا شوق پیدا ہو گیا آپ میں۔"

"جی وہ..... ہمیں تو کچھ خبر نہیں تھی کہ ایسا بھی ہو جائے گا۔" اس کی سادگی اور معصومیت فطری تھی۔ ڈاکٹر زبیدہ کو اس کم عمر لڑکی پر بے اختیار پیار آیا۔

"میں اب گھر جا رہی ہوں آپ بھی چلیں میرے ساتھ۔ میں راستے میں آپ کو آگ کے گھر ڈراپ کر دوں گی۔ آپ تو اسٹیشن سے سیدھی ادھر ہی آئی ہیں نا۔" ڈاکٹر زبیدہ نے اپنی ضروری چیزیں سمیٹتے ہوئے کہا۔

"جی دراصل میری طبیعت سارے راستے خراب رہی تھی اس لیے۔"

"بہت اچھا کیا جو چیک اپ کروالیا۔ چلیں آئیں میرے ساتھ۔" ڈاکٹر زبیدہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنے ملازم سے کہہ کر اس کا سامان اپنی گاڑی میں رکھوا دیا اور اس نے میڈم آمنہ کا ایڈریس انہیں بتایا تھا۔ اور وہ اسے میڈم آمنہ کے بنگلے کے باہر ڈراپ کر کے اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئیں۔

اس نے میڈم کے گھر کے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا تو میڈم آمنہ اور ان کے شوہر زوار ملک اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ میڈم آمنہ نے اسے بڑھ کر گلے سے لگا لیا۔ وہ جو کسی مہربان شانے کی متلاشی تھی کہ اپنے آنسو بہا سکے۔ اپنا درد کم کر سکے تو ان سے ملتے ہی بلک بلک کر رو پڑی۔ زوار ملک نے اسے پانی پلایا۔ اس کی روداد سن کر دونوں کو بہت دکھ ہوا۔ میڈم آمنہ اسے تھپکتے ہوئے بہت نرم اور دوستانہ لہجے میں گویا ہوئیں۔

"بس اب تم یہیں ہمارے ساتھ رہو گی۔ اللہ بخشے تمہاری ماں کو، اس نے تمہارے لیے میرے پاس کچھ رقم جمع کرائی تھی۔ چھ ہزار روپے ہیں وہ بھی تم مجھ سے لے لینا اور اب تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہماری کوئی بیٹی نہیں ہے۔ دونوں بیٹے لندن میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ سیٹل ہیں۔ ہم میاں بیوی یہاں اکیلے ہوتے ہیں۔ اب تم بھی ہمارے ساتھ ہی رہنا۔ ہمارا اکیلا پن بھی دور ہو جائے گا اور تمہاری رہائش کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔"

''شکریہ میڈم۔'' اس نے روتے ہوئے کہا۔

''ارے بھئی بیٹی کہا ہے میں نے تمہیں تو تم بھی مجھے اپنی ماں ہی سمجھو۔'' میڈم آمنہ نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے اپنائیت بھرے لہجے میں کہا۔

کرنل زوار ملک نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔ ''ہاں بیٹا گل چاندنی! تمہارے آنے سے ہمارے گھر میں بھی گل کھل جائیں گے اور چاندنی پھیل جائے گی۔ ہم تو اپنے گل لندن بھیج کر پچھتا رہے ہیں، اب تم ہمارے ساتھ ہماری بیٹی بن کر رہو گی، ہمیں تو اس وقت پر غصہ آیا تھا جب ہم لندن میں تھے اور تم یہاں آ کر مایوس ہو کر چلی گئیں۔ تمہاری ماں جنت بی بی اللہ اسے جنت نصیب کرے بہت ہی نیک عورت تھی۔ تم بھی اسی ماں کی نیک بچی ہو۔ بس اب بہادر بن کر رہنا ہو گا تمہیں۔''

''لیکن ہم آپ پر بوجھ نہیں بنیں گے۔ ہم آپ کے پاس آپ کے گھر میں رہنے کا کرایہ ادا کیا کریں گے۔ اور.....''

''ارے ارے یہ کیسی باتیں کر رہی ہو۔'' میڈم آمنہ اس کی بات کاٹ کر بولیں۔ ''بھلا ماں باپ اپنی بیٹی سے اپنے گھر میں رہنے کی قیمت وصول کرتے ہیں پگلی! تم ہم پر بوجھ نہیں بنو گی۔''

''لیکن ہم ایسے نہیں رہیں گے، ہمیں اچھا نہیں لگے گا۔ جن کی ہم بیٹی لگتے تھے انہوں نے ہمیں نہ رکھا تو ہم..... آپ پر کیسے بوجھ بن جائیں۔ ہم اپنا بوجھ خود اٹھائیں گے اور آپ کو ہر ماہ کرایہ ادا کریں گے۔'' اس نے پُرنم لہجے میں کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔ تم ہر ماہ ایک ہزار روپیہ ہمیں دے دیا کرنا۔ چھ ہزار تو میرے پاس موجود ہی ہیں، لیکن کھانے پینے کا انتظام تم علیحدہ نہیں کرو گی۔ کھانا ہمارے ساتھ ہی کھاؤ گی۔ ہم صرف رہائش کا کرایہ وصول کریں گے تم سے۔ سمجھیں۔'' میڈم آمنہ نے اس کی خود داری کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی سمجھ گئی۔ شکریہ میڈم۔''

''میڈم نہیں، ممی۔''

''جی ممی۔'' وہ روہانسی ہوگئی ان کی محبت اور اپنائیت پر اور دل میں خدا کا شکر بجالائی جس نے اسے پناہ دے دی تھی۔ محفوظ ٹھکانہ مہیا کر دیا تھا۔

میڈم آمنہ نے اس کے لیے انیکسی کھلوادی۔ وہ اس اکیلی کے لیے بہت زیادہ تھی۔ اس نے اپنا سامان ایک کمرے میں سیٹ کر لیا، نہا دھو کر کپڑے تبدیل کیے، نماز کے وقت اس کے آنسو بہتے چلے گئے۔ جن میں اپنی محبت سالار خان سے دوری کا دکھ بھی شامل تھا اور اس کے بچے کی ماں بننے کی خبر کی خوشی بھی موجود تھی۔

''سالار! آپ کی محبت کی نشانی کنگن مجھ سے کھو گئے، میری کلائی سونی ہوگئی، لیکن مجھے اب اس کا رنج نہیں ہے کیونکہ آپ کی محبت کی سب سے حسین اور خوب صورت نشانی میرے پاس ہے۔ وہ نشانی جس نے میری کوکھ آباد کر دی ہے۔''

گل چاندنی نے اپنی خالی کلائی کو دیکھتے ہوئے کہا اور پھر ہینڈ بیگ میں سے وہ اسٹامپ پیپر نکال لیا جو اقتدار خان نے سالار خان کو طلاق کی تحریر لکھنے کے لیے دیا تھا۔ اسے تین حرف اور اپنا نام لکھنے کا حکم دیا تھا۔ سالار خان نے اس کاغذ پر تین حرف ہی اس کے نام لکھے مگر یہ حرف یہ لفظ وہ نہیں تھے جن کے لکھنے سے اس کا اور گل چاندنی کا رشتہ ٹوٹ جاتا۔ ان کا شادی کا بندھن ختم ہو جاتا یا ان کی محبت بھرے تعلق کا ہر سلسلہ منقطع ہو جاتا۔ بلکہ اس نے تو اپنی محبت کی مہر ثبت کی تھی اس کاغذ پر۔ اسے جاتے جاتے بھی اپنی محبت کا تحریری ثبوت دے دیا تھا۔ اس سے اپنے دل کے جذبے کا اظہار کر دیا تھا۔

گل چاندنی نے کاغذ کی تہہ کھول کر اس پر درج تحریر پڑھی۔ لکھا تھا:

میری گل چاندنی!

آئی لو یو۔

صرف تمہارا، سالار خان۔

''آئی لو یو ٹو سالار خان، آئی لو یو ٹو۔''

گل چاندنی نے پُرنم آواز میں کہا اور اس کے نام پر اپنے گلابی ہونٹ رکھ دیئے۔ آنسو اب بھی

اس کی آنکھوں سے رواں تھے مگر یہ خوشی اور تشکر کے آنسو تھے۔ وہ خوشی جو سالار خان کے اس اعتراف، اقرار اور پیار نے اسے بخشی تھی۔ وہ تشکر جو وہ سالار خان کی اس بے ریا اور بے لوث محبت پر آنسوؤں کی صورت ادا کر رہی تھی۔ یہ اس کی سچی، شدید اور پُر خلوص محبت ہی تھی کہ جس نے اس سے اپنے تعلق کو توڑنا گوارہ نہیں کیا تھا۔ جدائی کا زہر پینا قبول کر لیا تھا مگر اس سے اپنا رشتہ ختم کرنا ان سب کی دھمکیوں کے باوجود قبول نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی محبت میں چاہت میں سچا تھا۔ مخلص تھا، باوفا تھا۔ اور گل چاندنی کے جینے کے لیے اس کی محبت کا یہ اقرار نامہ بھی بہت تھا اور اب تو وہ اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی۔ اسے اپنے زندہ رہنے کا جواز مل گیا تھا۔ اس نے خود سے عہد کر لیا تھا کہ وہ سالار خان کی اس نشانی کی حفاظت کرے گی، اس کے لیے زندہ رہے گی، اس کے لیے اپنا خیال رکھے گی۔

☆.....☆.....☆

''چاندنی! تم کالج میں ایڈمیشن لے لو۔ داخلے تو شروع ہو چکے ہیں۔'' میڈم آمنہ نے اس کے پاس آ کر کہا۔

وہ جھجکتے ہوئے بولی۔ ''مگر ممی! میں ایسی حالت میں کیسے ایڈمیشن لے لوں۔''

''کیوں، کیا ہوا؟''

اس نے انہیں اپنی میڈیکل کنڈیشن نہیں بتائی تھی اس لیے انہوں نے پوچھا تھا تو اس نے ڈاکٹر زبیدہ کا لکھا ہوا نسخہ اور رپورٹ انہیں تھما دی۔

''او ماشاءاللہ۔ یہ تو بہت اچھی خبر ہے۔ مبارک ہو۔ اب تو تمہیں زندہ رہنے کا بہت ٹھوس اور قیمتی جواز میسر آ گیا ہے لیکن بیٹی! ابھی تو بہت مہینے باقی ہیں۔ اس وقت تک تو کالج میں چھٹیاں ہو جائیں گی اور کوئی پرابلم ہوئی بھی تو تم میڈیکل لیو لے سکتی ہو۔ اس لیے میرا تو یہی مشورہ ہے کہ تم بی اے میں ایڈمیشن لے لو۔ پورے بورڈ میں ٹاپ کیا تھا تم نے، اپنے اس اعزاز کو آگے بھی برقرار رکھنا اور دیکھنا کہ کامیابی کے دروازے کیسے تم پر وا ہوتے ہیں۔''

میڈم آمنہ نے خوش ہو کر اسے مبارک باد دے کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے ممی۔ میں ایڈمیشن ضرور لوں گی۔'' اس نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

''ویری گڈ۔ یہ ہوئی نا بات۔ میں آج ہی فارم منگوا لیتی ہوں۔'' میڈم آمنہ نے اس کی ٹھوڑی پیار سے پکڑ کر کہا تو وہ بھی مسکرا دی۔

اور یوں اس کا کالج میں داخلہ ہو گیا۔ وہ پڑھائی میں مصروف ہو گئی۔ میڈم آمنہ اس کا باقاعدگی سے چیک اپ کرواتی رہیں۔ کرنل زوار ملک اپنے گھر میں ایک ننھے مہمان کی آمد کی خبر سن کر بہت خوش تھے۔ انہوں نے پانے پوتے پوتی کی خوشی تو اپنے گھر میں نہیں دیکھی تھی مگر اپنی منہ بولی بیٹی کے بچے کی خوشی دیکھنے کے وہ شدت سے منتظر تھے۔ انہوں نے ننھے مہمان کے لیے کپڑے اور کھلونے خرید کر ڈھیر لگا دیا تھا۔ گل چاندنی نے بھی اپنے بچے کے لیے چند جوڑے سیئے تھے۔ سالار خان کی دی ہوئی رقم دو لاکھ دس ہزار روپے اس کا کل اثاثہ تھی۔ اس کا حق مہر تھی۔ وہ یہ رقم بہت سوچ سمجھ کر خرچ کر رہی تھی۔

میڈم آمنہ نے اس کی غذا کا شیڈول بنا دیا تھا۔ وہ اسے اپنے سامنے کھلاتیں، پلاتیں، انہیں تو اس کے ماں بننے کی خوشی اس طرح ہو رہی تھی کہ جیسے وہ ان کی سگی بیٹی ہو۔ ان دونوں میاں بیوی کے پُرخلوص پیار پر اکثر خوشی سے اس کی آنکھیں بھیگ جاتی تھیں۔

☆.....☆.....☆

ان دنوں کالج میں چھٹیاں تھیں۔ بارشوں کا سیزن چل رہا تھا۔ ستمبر کا مہینہ شروع ہونے والا تھا۔ اس رات وہ انیکسی میں اپنے کمرے میں اکیلی لیٹی ہوئی تھی، میڈم آمنہ نے اس کی حالت کے پیش نظر اس کے کمرے میں انٹر کام بھی لگوا دیا تھا تاکہ وہ بوقت ضرورت انہیں کال کر سکے، مگر بھلا ہو واپڈا والوں کا، موسم تو بے رخی پر اترا ہوا تھا بجلی بھی اس کی ہمنوا بن گئی تھی۔ اندھیرا چار سو پھیلا ہوا تھا۔ باہر تیز ہوا چل رہی تھی۔ بند دروازوں، کھڑکیوں میں سے باہر کے ماحول کی آوازیں بہت دہشت زدہ کر رہی تھیں اسے۔ بارش کی موسلا دھار بوندیں شیڈ سے گر کر شور مچا رہی تھیں۔ اور ''گل چاندنی'' وہ اس خوفناک ماحول میں ڈر اور تکلیف کی اس کیفیت سے اس مرحلے سے گزر رہی تھی جو عورت کو زندگی سے موت کے بہت قریب لے جاتا ہے۔ اس کا پورا وجود درد سے بے حال ہوا جا رہا تھا۔ اندھیرا، بارش، اکیلا پن اور یہ

تکلیف دہ مرحلہ۔ وہ بہت بے بسی محسوس کر رہی تھی۔ خود کو ایسی تکلیف، ایسا درد پہلی بار اس کے جسم و جاں میں اترا تھا اور کوئی اس درد اور تکلیف میں اس کے پاس موجود نہیں تھا۔ اس نے بے بسی سے تکلیف سے کراہتے ہوئے رب کا نام لیا۔

''یا اللہ! میری مدد فرما۔ میں..... اپنے بچے کے لیے، اپنے سالار خان کے بچے کے لیے..... زندہ رہنا چاہتی ہوں۔ سالار خان کی نشانی کو زندہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ میری مدد فرما اللہ! مجھے میرے بچے کو..... زندگی سے دور نہ لے جا..... میرے سالار خان کی نشانی بچا لینا۔''

اپنی بے بسی پر اسے رونا آ گیا اور اس نے بے اختیار ''سالار خان'' کو پکارا۔

''سالار..... سالار خان..... کہاں ہیں آپ؟ مجھے بچا لیں..... سالار..... میں مر رہی ہوں سالار..... آپ سنتے کیوں نہیں ہیں؟ آپ تک میری آواز پہنچ رہی ہے سالار..... میں کیا کروں؟ میں ابھی مرنا نہیں چاہتی۔ اپنے اور آپ کے بچے کے لیے..... جینا چاہتی ہوں۔ میری حالت پر رحم کھائیں، مجھے لے جائیں سالار..... سالار..... سالار کہاں ہیں آپ؟''

وہ روتی، تڑپتی اسے پکارتی ہمت کر کے دروازے تک آ پہنچی اور دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ بارش اور ہوا کے شور اس کی آواز کو کسی تک پہنچنے سے پہلے ہی لوٹائے دے رہا تھا۔ وہ دیوار تھام کر روتے ہوئے ایک بار پوری قوت سے چیخی۔

''کوئی ہے..... اماں، بابا..... ممی، ڈیڈی..... کوئی تو آئے، سالار..... سالار آپ ہی آ جائیں۔''

اور پھر اسے ہوش نہیں رہا کہ کون اس کی پکار پر آیا، کس نے اسے اٹھایا اور ہسپتال پہنچایا۔ وہ ہوش میں آئی تو میڈم آمنہ اس کے سرہانے بیٹھی سورہ رحمٰن کی تلاوت کر رہی تھیں۔ اسے ہوش میں آتا دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی۔ گل چاندنی اس وقت گیندے کا زرد پھول دکھائی دے رہی تھی۔

انہوں نے اس پر پھونک مار کر اس کی پیشانی چوم لی، وہ رات کا منظر اپنے ذہن میں دہرا چکی تھی۔ اسے فوراً اپنے بچے کا خیال آیا۔

''ممی..... مم..... میرا..... بچہ..... کک..... کیسا ہے؟'' اس نے اٹک اٹک کر بہت کمزور آواز

میں کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

''بچہ نہیں، یہ پوچھو کہ تمہارے بچے کیسے ہیں، تمہیں بہت بہت مبارک ہو چاندنی، اللہ تعالیٰ نے تمہیں دو بہت صحت منداور حسین بیٹوں کی ماں بنایا ہے۔''

''کک.....کیا سچ؟'' اس کی حیرت اور خوشی کی انتہا نہیں تھی۔

''ہاں میری جان! سچ۔ اب تم جلدی سے اچھی ہو جاؤ۔ اپنی صحت کا خیال رکھو۔ آپریشن سے ہوئی ڈلیوری۔ تمہیں بہت احتیاط کرنا ہوگی۔ اللہ نے تمہاری اور بچوں کی جان بچالی۔ میں تو صدقہ اتاروں گی۔ رات کے موسم اور اندھیرا۔ نجانے تم کیسے اس حالت میں انیکسی سے باہر پہنچی ہوگی۔ وہ تو مجھے اچانک خیال آ گیا کہ تمہاری حالت صحیح نہیں ہے میں تمہارے پاس جا کر سو جاتی ہوں، اور انیکسی کی جانب آتے ہوئے جو میں نے تمہیں بے ہوش پڑے دیکھا تو میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔ خدانخواستہ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں خود کو اپنی اس حماقت پر، لاپروائی پر کبھی معاف نہ کر پاتی۔ بس خدا خدا کر کے ہم لوگ تمہیں یہاں لائے اور فوراً تمہیں آپریشن تھیٹر لے جایا گیا۔ ایک ایک پل مشکل تھا گزارنا ہمارے لیے۔ اللہ نے ہماری دعائیں سن لیں، شکر ہے اس کا۔''

میڈم آمنہ نے اسے تفصیل سے بتایا تو وہ ان کی محبت پر خوشی سے رو دی۔

اس نے جب اپنے دونوں بچوں کو گود میں اٹھایا تو اس کے اندر ممتا کے خزانے ابل پڑے۔ وہ انہیں اپنے سینے سے لگا کر بہت روئی، سالار خان کی یاد اسے شدت سے محسوس ہوئی، میڈم آمنہ اور کرنل زوار ملک اس کی کیفیت سمجھ رہے تھے۔ انہوں نے بہت محبت اور شفقت سے اسے سمجھایا۔ وہ تو جیسے ان ننھے منے بچوں کی آمد سے نہال ہو گئے تھے۔ انہوں نے ان تینوں کا صدقہ دیا۔

گل چاندنی نے سالار خان کے نین نقش، رنگ وروپ والے بیٹے کا نام اسفندیار خان رکھا اور اپنی سمندروں جیسی نیلی نیلی آنکھوں اور دودھیا رنگت والے صحت مند بیٹے کا نام شہریار خان۔

سالار خان کے نام کے ہم قافیہ نام میڈم آمنہ اور کرنل زوار ملک کو بھی بہت پسند آئے۔

وہ دو ہفتے ہسپتال میں رہنے کے بعد گھر آئی تو بہت خوشی منائی گئی۔ کرنل زوار ملک نے پورے

محلے میں مٹھائی تقسیم کرائی۔ بچوں کی رسم عقیقہ بہت شان سے ادا کی گئی۔ ان تینوں کے لیے وہ بہت سے کپڑے خرید کر لائے۔ گل چاندنی خدا کا شکر ادا کرتے نہیں تھک رہی تھی۔ یہ جو غیر تھے سگے ماں باپ سے بڑھ کر ان سے پیار کر رہے تھے۔ اسے محبت سے رکھ رہے تھے۔ اسے کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے اوپر آسمانوں میں اس کی مرحومہ ماں اور نیچے زمین پر اس کا محبوب شوہر اس کے لیے ہر دم دعا گو رہتے ہیں۔ جبھی تو وہ قدم قدم پر سنبھل جاتی ہے، ہمت اور حوصلہ پاتی ہے۔

☆.....☆.....☆

وقت گزرتا گیا۔ اس نے بی اے میں نمایاں نمبروں سے پاس کر لیا اور ایم اے اسلامیات کے لیے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ وہ سر سے لے کر پاؤں تک کالی چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔ لڑکوں کے ساتھ پڑھتی تھی مگر کسی لڑکو کو اس کے قریب آنے یا اسے تنگ کرنے کی جرات نہیں ہو سکی تھی۔ دونوں بچے بڑے ہو رہے تھے۔ وہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ وقت نکال کر کپڑے ڈیزائن کرتی، سیتی اور معقول قیمت پر بوتیک پر بیچ دیتی، وہ اپنا اور بچوں کا خرچ خود اٹھانا چاہتی تھی۔

میڈم آمنہ اور کرنل زوار ملک اس کے لیے اور بچوں کے لیے شاپنگ کرتے رہتے تھے۔ اس نے اپنے حق مہر کی رقم اب تک بچا کر رکھی ہوئی تھی۔ ضرورتاً ہی وہ اس میں سے خرچ کرتی تھی۔

البتہ بچوں کے لیے شاپنگ کرنے کا شوق اسے بھی کم نہ تھا۔ وہ بچوں کو پیار سے اسفند اور شیری کہتی تھی اور میڈم آمنہ اور کرنل زوار ملک کی دیکھا دیکھی وہ اسے ماما چاندنی پکارنے لگے تھے اور اسے ان کا طرزِ تخاطب بہت لطف دیتا تھا۔ اس کے بچوں میں تو اس کی جان تھی۔ اس نے دونوں بچوں کو سالار خان کی تصویریں دکھائی تھیں اور انہیں بابا جان کہنا سکھایا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کے بچے اپنے باپ کی صورت سے اس کی موجودگی سے اس کی محبت سے آگاہ رہیں۔ اس نے ان کی سالگرہ پر، عید، بقر عید پر ان کے لیے کپڑے اور کھلونے خرید کر سالار خان کے نام سے انہیں دکھائے، پہنائے اور شوکیس میں سجائے۔

بچوں کو اس کی غیر موجودگی میں میڈم آمنہ، کرنل زوار ملک اور گھر کی ملازمہ نسرین سنبھالا کرتے۔

وقت کچھ اور گزرا۔ اس نے ایم اے میں گولڈ میڈل حاصل کیا۔ ساتھ ہی کالج میں لیکچرر شپ کے لیے اپلائی کر دیا۔ اسے مقامی کالج میں جاب مل گئی۔ ساتھ میڈم آمنہ کا ٹرانسفر بھی اسی کالج میں ہو گیا جس کالج میں گل چاندنی کو لیکچرر شپ ملی تھی۔ وہ لوگ وہاں سے اپنے نئے گھر گرین کالج میں شفٹ ہو گئے۔ گل چاندنی نے اب کپڑے سینا چھوڑ دیئے تھے۔ اب اسے روزگار کی طرف سے کوئی فکر نہیں تھی۔ وہ اپنے بچوں کا خرچ خود با آسانی اٹھا سکتی تھی۔

☆.....☆.....☆

''شیری، اسفند بیٹا! ادھر آئیں یہ دیکھیں آپ کے بابا جان نے آپ کی برتھ ڈے کے گفٹس بھیجے ہیں۔''

آج ان دونوں کی چوتھی سالگرہ تھی۔ وہ ان کے لیے اپنی تنخواہ سے کپڑے، جوتے اور کھلونے خرید کر پیک کروا کر لائی تھی۔

''بابا جان نے ماما چاندنی۔ بابا جان خود کیوں نہیں آئے؟''

دونوں خوشی سے چلاتے اس کی گود میں آ بیٹھے اور معصومیت سے پوچھا۔

''بیٹے! اس لیے وہ امریکہ میں بہت محنت کر رہے ہیں، پڑھ رہے ہیں جب ان کا کام مکمل ہو جائے گا نا تو وہ اپنے اسفند اور شیری کے پاس آ جائیں گے۔'' اس نے دونوں کے گال چوم کر پیار سے کہا۔

''بابا جان کا کام کب ختم ہو گا ماما چاندنی؟'' دونوں نے ایک ساتھ پوچھا۔

''بہت جلد۔'' اس نے پُرنم آواز میں کہا۔ ''اور پتا ہے بابا جان نے خط میں لکھا ہے کہ میرے بیٹوں کو بابا جان کی طرف سے بہت سارا پیار کریں۔''

''ماما چاندنی! آپ بھی بابا جان کو ہماری طرف سے بہت سارا پیار لکھیں۔''

''ٹھیک ہے۔ پہلے بابا جان کا پیار تو لے لیں آپ دونوں۔'' گل چاندنی نے دونوں کو اپنے سینے سے لپٹا کر بے تحاشا پیار کیا۔ انہوں نے بھی اسے محبت سے چوم لیا۔

''یہ تحفے آپ دونوں کے لیے آپ کی ماما چاندنی کی طرف سے ہیں۔''

گل چاندنی نے دو گفٹ پیکٹس اٹھا کر دونوں کے سامنے رکھ دیئے۔

''تھینک یو ماما چاندنی۔'' دونوں نے اس کے رخسار چوم کر کہا۔ وہ مسکرا دی۔

''تھینک یو بابا جان! آپ ہمیں بہت یاد آتے ہیں بابا جان۔'' اسفند اور شیری نے سالار خان کی فریم شدہ تصویر اٹھا کر چوم کر کہا تو گل چاندنی کی پلکیں بھیگ گئیں۔

''یاد تو ہمیں بھی بہت آتے ہیں سالار، ہر لمحے آپ کی یاد ہمارے ساتھ رہتی ہے۔ آپ کی محبتیں ہمیں اپنے حصار میں لیے رکھتی ہیں۔'' وہ اپنے کمرے میں آ گئی اور سالار خان کی تصویر جو اس کے سرہانے بھی رکھی ہوئی تھی اٹھا کر اس پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پُرنم لہجے میں بولی۔

''سالار خان! آپ جب بھی کبھی اپنے بچوں سے ملیں گے تو آپ کو یوں لگے گا جیسے آپ ہمیشہ سے ان کے درمیان ہیں۔ شیری اور اسفند آپ سے بے پناہ پیار کرتے ہیں۔ میں نے انہیں اپنے اور آپ کے پیار میں پروان چڑھایا ہے۔ یہ آپ جیسے ذہین بھی ہیں اور آپ کی طرح ہر شوق ان میں موجود ہے جو آپ میں موجود تھا۔ دونوں بچوں کو وہی کھانے مرغوب ہیں جو آپ کو پسند تھے۔ انہیں آپ کی طرح ہارس رائیڈنگ کا بھی بہت شوق ہے، انہیں ٹینس اور کرکٹ بہت پسند ہے۔ گل یاسمین اور گلاب کی خوشبو مجھے ہی نہیں شیری اور اسفند کو بھی بہت اچھی لگتی ہے۔ آپ ملیں گے نا سالار! ہم تینوں سے زندگی کے کسی موڑ پر۔'' وہ سالار خان کی تصویر سے باتیں کر رہی تھی۔ آنسو ایک بار پھر اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ اس نے سالار خان کی مسکراتی تصویر کو چوم کر اپنے سینے سے لگا لیا۔

☆.....☆.....☆

وقت گزر گیا۔ چھ سال کا عرصہ کم نہیں ہوتا۔ جہاں یادیں گہری ہو گئی تھیں۔ وہاں ملنے کی تڑپ بھی گہری ہو گئی تھی۔ گل چاندنی نے بچوں کو اسکول میں داخل کرا دیا تھا۔ کرنل زوار ملک فوج سے ریٹائر ہونے کے بعد اپنا کرائے کو چنگ سینٹر چلا رہے تھے۔ زمینوں کی آمدنی ٹھیک ٹھاک تھی۔ آرام سے گزر بسر ہو رہی تھی۔

''ماما چاندنی!'' اسفند اور شیری کی آواز پر وہ ماضی کے گرداب سے نکل آئی۔

''ہوں، کیا ہوا بیٹے؟''

''ماما! یہ جو بابا جان کی تصویر ہے نا، اُن انکل جیسی ہے۔ اتنی پیاری مونچھیں ہیں بابا جان کی، یہ تل بھی کتنا پیارا لگا ہے نا ماما۔ میرے بھی تو ہے نا یہ تل۔'' اسفند ہاتھوں میں سالار خان کی تصویر لیے کھڑا تھا اور بہت اشتیاق سے بتا رہا تھا۔

''جی بیٹے! بہت پیارا ہے۔ آپ کے بابا جان کا تل بھی بہت پیارا ہے اور دل بھی بہت پیارا ہے۔'' گل چاندنی نے اسے اپنی گود میں بٹھا کر پیار سے کہا۔

''ماما! آپ ہمارے ساتھ چلیں، ان انکل کو دیکھیں، وہ سچ مچ بابا جان ہیں ہمارے اصلی بابا جان۔'' شیری نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا۔

''بیٹے! وہ انکل کوئی اور بھی تو ہو سکتے ہیں۔''

''نہیں ماما چاندنی! وہ ہمارے بابا جان ہیں۔ وہ بہت پیارے ہیں۔ بہت پیار کیا تھا انہوں نے ہمیں۔'' اسفند نے معصومیت سے کہا۔

''خوشبو تو مجھے بھی محسوس ہوئی تھی لیکن وہ یہاں کیسے، کیا ہماری دعائیں قبول ہونے کا وقت آ گیا ہے۔'' گل چاندنی نے بھیگتی آواز میں کہا۔

''ماما چاندنی! آپ اداس نہ ہوں۔ بابا جان آ جائیں گے۔ جلدی آ جائیں گے۔'' شیری نے اس کا چہرہ اپنے ننھے ننھے ہاتھوں میں تھام کر بہت پیار سے اسے تسلی دی تو اس نے اسے اور اسفند دونوں کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

''ہاں بیٹا! آپ کے بابا جان آ جائیں گے۔ جلدی آ جائیں گے۔ انہیں آنا ہی ہوگا کیونکہ اب آپ کی ماما چاندنی انہیں بہت زیادہ مس کرنے لگی ہیں۔ آپ کو ان کے خط سناتے، ان کی باتیں بتاتے بتاتے بہت دکھ محسوس کرنے لگی ہیں۔'' گل چاندنی نے ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بھیگی آواز میں کہا۔ اس کے آنسو پلکوں پر مچل رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

وہ دونوں ''کوچنگ سینٹر'' سے اپنی کلاس لے کر باہر نکلے تو سالار خان کو وہاں پہلے سے موجود پایا۔ اس نے انہیں دیکھتے ہی اپنے بازو پھیلا دیئے۔ وہ بے ساختہ اس کی بانہوں کے گھیرے میں سمٹ آئے۔ سالار خان نے دونوں کو چوم لیا۔ وہ دونوں پیار سے اسے دیکھنے لگے۔

''ہم آپ کو انکل کیوں کہیں۔ آپ تو ہمارے بابا جان ہیں ناں۔'' شیری نے کہا۔

''میرا دل یونہی تو بے قرار نہیں ہو رہا آپ کے لیے۔'' سالار خان نے اس کی پیشانی چوم لی۔

''بیٹے! شیری تو آپ کا پیار کا نام ہے نا۔ آپ دونوں کا پورا اور اصلی نام کیا ہے؟''

''ہم شہریار خان ہیں۔'' شیری نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بتایا۔

''ہم..... شہریار خان۔'' سالار خان کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔

''اور بیٹے، آپ کا کیا نام ہے؟'' انہوں نے اسفند کی طرف دیکھا۔

''اسفند یار خان۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اور..... اور آپ کے بابا جان کا کیا نام ہے؟'' اسے اپنے نام کا ہم قافیہ نام سن کر جانے کیوں یقین ہو چلا تھا کہ وہی ان کے باپ ہیں۔ بے تابی سے پوچھا۔

''سالار خان.....'' دونوں نے مسکراتے ہوئے کہا تو سالار خان کا سانس رک رک سا گیا۔ جسم میں ایک دم بجلی سی دوڑ گئی۔ ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ پھیل گئی۔ خنکی کے باوجود پورا بدن گرم ہو گیا۔ خوشی نس نس میں سرایت کر گئی۔ انہوں نے اپنی قمیض کی جیب میں سے گل چاندنی کی تصویر نکال لی۔

''س..... سالار خان، سالار خان آپ کے بابا جان ہیں اور بیٹے! آپ جانتے ہیں کہ یہ کون ہیں؟''

سالار خان نے گل چاندنی کی تصویر ان کے سامنے کر دی۔

''ماما چاندنی۔'' دونوں نے ایک ساتھ جوشیلے لہجے میں کہا اور اس سے بہت جوشیلے انداز میں لپٹ گئے اور ''بابا جان! بابا جان!'' کہتے ہوئے رو پڑے۔

''شہر یار خان، اسفند یار خان، شیری..... اسفند..... میرے بچے..... میرے جگر کے ٹکڑے..... میرے بیٹے..... میری چاندنی کے بیٹے۔'' سالار خان خوشی سے انہیں دیوانہ وار چومتے

ہوئے روتے ہوئے بولے تو ان دونوں نے بھی اس کے چہرے کو کئی بار چوما۔

''بابا جان! آپ نے صبح کیوں نہیں بتایا تھا کہ آپ ہمارے بابا جان ہیں۔ ہم نے تو آپ کو پہچان لیا تھا۔'' دونوں نے معصومیت سے شکوہ کیا۔

''میں دیکھنا چاہتا تھا کہ میرے بیٹے مجھے پہچانتے ہیں کہ نہیں..... آپ نے تو مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ کیسے پہچانا آپ نے مجھے؟'' انہوں نے دونوں کو باری باری چوم کر کہا۔

''ہمارے اور ماما چاندنی کے بیڈروم میں آپ کی تصویریں لگی ہوئی ہیں۔''

''میری تصویریں۔'' اس نے حیرانگی سے کہا۔

''جی بابا جان۔'' دونوں بیک وقت بولے۔

انہوں نے دونوں کو بہت والہانہ انداز میں اپنے ساتھ لپٹا کر بھینچ لیا۔ ان کے سر اور گردن کو چوم لیا۔ خوشی اور تشکر سے ان کی آنکھیں برس رہی تھیں۔ زبان متشکر تھی۔ ''یا اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ تو نے مجھے میری چاندنی سے، میرے بچوں سے ملا دیا۔''

''بابا جان! چلیں ماما چاندنی کے پاس۔ وہ آپ کو ہمارے ساتھ دیکھ کر بہت حیران ہوں گی۔ ہم نے ماما چاندنی کو بتایا تھا آپ کے بارے میں..... وہ آپ کو بہت مس کرتی ہیں۔'' اسفند نے کہا۔

''میں نے بھی تو اسے بہت مس کیا ہے۔ چلو بیٹے! مجھے اپنی ماما چاندنی کے پاس لے چلو۔ اب ضبط نہیں ہو رہا۔'' سالار خان نے اپنے آنسو صاف کیے اور کھڑے ہو گئے اور شیری کی گھنیری پلکوں کو دیکھا جو اسے معصومیت اور محبت سے آنکھیں جھپک جھپک کر دیکھ رہا تھا اور سالار خان کو اپنا دل اتھل پتھل ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ گل چاندنی کی ساری معصومیت اس میں سمٹی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے شیری کو اپنی بانہوں میں اٹھا لیا اور محبت سے اس کا گال چوم لیا تو اسفند نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''بابا جان! مجھے نہیں اٹھائیں گے شیری کی طرح۔''

''ارے کیوں نہیں اٹھائیں گے ہم اپنے بیٹے کو۔ آجاؤ میری جان۔''

اسفند کو اس نے اپنے دوسرے بازو میں اٹھا لیا تو اس نے فوراً خوشی سے اس کے رخسار پر اپنے ہونٹ ثبت کر دیئے۔ انہوں نے محبت سے اس کے اور پھر شیری کے ہونٹ چومے۔

اور جب وہ گرین کاٹج میں داخل ہوئے تو دونوں بچے اس کی بانہوں سے اتر کر اسے وہیں کھڑا رہنے کا کہہ کر اندر بھاگے۔ وہ ڈرائنگ روم کے برابر ڈیزائن دار دیوار میں انہیں دیکھنے لگے۔ ان کی آنکھیں گل چاندنی کے دیدار کے لیے بے تاب ہوئی جا رہی تھیں۔ دل اسے اپنے اندر جذب کر لینے کی تمنا کر رہا تھا۔ وہ بہت بے کل تھے۔

''ماما چاندنی! ماما چاندنی! ہم آ گئے ماما چاندنی۔''

ان دونوں نے حسبِ عادت اسے اپنی آمد کی اطلاع اسی طرح پکار کر دی۔

''ماما چاندنی کے پیارے بچو! اتنی دیر لگا دی ہاں؟''

گل چاندنی کمرے سے نکلتے ہوئے پیار سے بولی اور ساتھ ہی اپنی بانہیں پھیلا کر انہیں اپنے اندر سمیٹ لیا۔ اور باری باری دونوں کو چوما تو اس کا دل عجیب انداز میں دھڑکا۔

''چاندنی! میری زندگی! تم ویسی ہی ہو ذرا بھی نہیں بدلیں۔'' سالار خان نے ڈیزائن دار وال کے ہول سے اسے دیکھا تو زیرِ لب کہا۔

''شیری..... اسفند! آپ کہاں گئے تھے؟ کسی سے مل کر آ رہے ہیں؟'' اس نے بے چینی سے پوچھا۔

''ماما! ہم تو کوچنگ سینٹر گئے تھے، وہیں سے آ رہے ہیں۔'' دونوں نے ایک آواز ہو کر کہا۔

''تو یہ خوشبو کیسے آپ تک پہنچ گئی۔ سالار خان کی خوشبو۔'' گل چاندنی نے بے چینی و بے قراری سے کہا تو سالار خان کی خوشی دیدنی تھی۔ وہ ان کی خوشبو اب تک نہیں بھولی تھی۔

''اس لیے کہ وہ ہمارے بابا جان ہیں۔'' دونوں نے جواب دیا۔

''ہاں وہ آپ کے بابا جان ہیں۔ لیکن..... خیر آپ دونوں اندر جا کر نہائیں۔ کپڑے میں نے نکال دیئے ہیں، پہن کر تیار ہو جائیں۔ اس کے بعد ہم بھی ڈیڈی کے ساتھ مل کر آپ کی سالگرہ کا کیک کاٹیں گے۔ ٹھیک ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''جی ماما چاندنی۔'' دونوں مسکرائے اور پھر شیری بولا۔

''ماما چاندنی! ہمارے ساتھ ہمارے دوست بھی آئے ہیں۔ باہر کھڑے ہیں وہ۔''

''تو بیٹے! دوستوں کو باہر کیوں کھڑا کیا ہے۔ مہمان کو تو اندر ڈرائنگ روم میں بٹھاتے ہیں۔ کون سے دوست ہیں آپ کے۔ ٹونی اور جمی یا کاشی اور کامی ہیں۔''

''آپ خود جا کر دیکھ لیں۔ ہم تیار ہو کر آتے ہیں۔'' دونوں شرارت سے مسکراتے ہوئے بولے۔

''او کے، میں خود دیکھ لیتی ہوں۔ آپ جلدی سے تیار ہو کر آئیں۔''

''چاندنی۔'' سالار خان خود ہی ڈرائنگ روم میں چلے آئے۔

وہ جانے کس خیال میں کھو گئی تھی ان کی آواز پر جھٹکے سے آواز کی سمت گھوم گئی۔ ہلکے آسمانی رنگ کے کرتے شلوار میں ملبوس سالار خان اس کے سامنے موجود تھے۔ وہ ہکا بکا رہ گئی۔

''چاندنی! میں ہوں تمہارا سالار خان۔ میرے پاس آؤ چاندنی۔'' سالار خان نے بہت پیار بھرے لہجے میں کہا اور اپنے بازو پھیلا دیئے۔

''س..... سا..... لار..... سالار.....'' وہ حیرت سے اٹک اٹک کر بولتی ہوئی دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی اس کے بازوؤں کے حلقے میں آ گئی۔ سالار خان نے جونہی اسے بازوؤں سے تھاما اس نے بے چینی کی سی کیفیت میں اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

''چاندنی! دیکھو میں آ گیا ہوں، تمہارا سالار خان، تمہارے شیری اور اسفند کا بابا جان۔'' سالار خان نے پُرنم آواز میں کہا۔

اس نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ اس کے سینے پر چہرے پر، بازوؤں پر بے یقینی کی سی حالت میں بار بار ہاتھ پھیرنے لگی۔ وہ اسے چھو کر محسوس کر رہی تھی۔

''سالار..... سالار، آپ آ گئے..... آپ آ گئے سالار۔'' جب اسے اس کے آنے کا یقین آ گیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''ہاں چاندنی! میں آ گیا ہوں۔'' سالار خان نے اسے اپنے سینے میں چھپا لیا اور اس کے ساتھ

ساتھ خود بھی پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے۔ گل چاندنی کی حالت بہت غیر ہونے لگی۔ یوں اچانک وہ آ گیا تھا۔ خوشی، حیرت دل سے سنبھل نہیں رہی تھی۔ وہ روتے روتے ان کی بانہوں میں بے ہوش ہو گئی۔

''چاندنی! اتنے برسوں بعد ملی ہو، جی بھر کے دیکھا بھی نہیں اور آنکھیں بند کر لیں تم نے۔ پلیز آنکھیں کھولو چاندنی۔'' سالار خان نے اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے بے قراری سے اسے پکارا۔ ان کی کوشش سے وہ تھوڑی دیر بعد ہوش میں آ گئی۔

''سالار.....'' گل چاندنی نے اس کے سینے اور چہرے پر اپنا ہاتھ رکھا۔ سالار خان نے باری باری اس کے دونوں ہاتھ چوم لیے۔

''ماما چاندنی! بابا جان! ہم آ گئے۔'' شیری اور اسفند تیار ہو کر چہکتے ہوئے ان کے پاس آئے تو دونوں نے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھا۔

سالار خان نے مدھم آواز میں اس سے پوچھا۔

''چاندنی! یہ ننھے منے فرشتوں جیسے بچے کب آئے تھے؟''

''آج کے دن آئے تھے یہ ہمارے پیارے پیارے بیٹے۔ آج ان کی سالگرہ ہے پانچویں سالگرہ۔'' گل چاندنی نے دونوں کا ماتھا چوم کر بتایا۔

''بابا جان! یہ کپڑے اور جوتے آپ نے ہی تو ہماری سالگرہ کے تحفے کے طور پر امریکہ سے بھیجے تھے۔ بھول گئے آج ہم دونوں کا برتھ ڈے ہے۔'' شیری نے بتایا۔

''میں نے بھیجے تھے۔'' سالار خان نے حیرت سے گل چاندنی کی جانب دیکھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا کر گویا اسے انہیں یہ یقین دلانے کا اشارہ کیا تو یہ گفٹس اس نے ہی انہیں بھیجے تھے۔ اور اس نے جواباً انہیں محبت سے چوم کر یقین دلا دیا۔

''جی بابا جان! اور آپ کے سارے گفٹس جو آپ نے ہمیں امریکہ سے عید اور برتھ ڈے پر اب تک بھیجے ہیں ناں وہ سارے ہم نے شوکس میں سجائے ہوئے ہیں۔ ہم آپ کو لا کر دکھائیں گے۔ پہلے ہم نانا ارنانی امی کو بلانے جائیں گے۔ ان کو بتائیں گے ہمارے بابا جان آ گئے ہیں۔ ہم جائیں ماما

چاندنی۔'' شیری نے کہا۔

''جی بیٹے! جائیں ممی ڈیڈی کو بلا لائیں پھر ہم کیک کاٹیں گے۔'' گل چاندنی نے پیار سے کہا تو وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے میڈم آمنہ اور کرنل زوار ملک کے رہائشی حصے کی جانب دوڑے۔

''یہ ممی، ڈیڈی کون ہیں؟'' سالار خان نے اس سے پوچھا۔

''میڈم آمنہ اور ان کے ہسبنڈ کرنل زوار ملک ہیں جنہوں نے مجھے اپنی سگی بیٹی کی طرح پیار اور پناہ دی تھی۔''

''اور یہ ہمارے پیارے بچے، تمہیں ماما چاندنی کیوں کہتے ہیں؟''

''ممی ڈیڈی بھی مجھے چاندنی کہتے ہیں بس یہ بھی شروع سے مجھے ماما چاندنی کہتے آرہے ہیں۔ ممی ڈیڈی کی وجہ سے انہیں میرا نام شروع سے ہی یاد ہو گیا تھا۔''

''بہت اچھے لگتے ہیں بچے تمہیں ماما چاندنی کہتے ہوئے۔'' سالار خان نے کہا۔

''سالار! آپ یہاں کیسے آ گئے؟''

''تمہاری محبت کی کشش مجھے یہاں لے آئی ہے۔'' سالار خان نے محبت سے اسے دیکھا۔

''چھ سال بعد۔'' گل چاندنی نے بھیگتے لہجے میں شکوہ کیا۔

''چاندنی۔'' سالار خان نے تڑپ کر اس کی چمکتی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیئے۔

☆.....☆.....☆

سارے شکوے دور ہو گئے۔ احساس محرومی جاتا رہا۔ اس کے آنے سے موسم ایک دم ہی بہت خوشگوار ہو گیا تھا۔ بہکا ہوا موسم، بہکی ہوئی فضا، بھیگی ہوئی رات نے سب منظر بدل دیئے تھے۔ سالار خان سے مل کر کرنل زوار ملک اور میڈم آمنہ کو بے حد خوشی ہوئی۔

بچوں کی سالگرہ کا کیک سالار خان نے خود ان کے ہاتھ تھام کر کٹوایا۔ کھانے کی میز پر اپنی من پسند ڈشز چکن کڑاہی، مرغ تنجن اور فرنی دیکھ کر وہ گل چاندنی سے پوچھنے لگے۔

''یہ سارا اہتمام کس خوشی میں ہے بھئی؟''

''آپ کے آنے کی خوشی میں ہے۔'' گل چاندنی نے مسکراتے ہوئے میز پر پلیٹیں سیٹ کرتے ہوئے کہا تو انہوں نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

''ہم کہیں چلے گئے تھے کیا؟''

''ہمارے دل سے تو آپ کبھی بھی کہیں نہیں گئے تھے۔'' اس نے محبت سے کہا۔

''ہیلو ہیلو۔'' کرنل زوار ملک نے دونوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ تو وہ مسکرا دیئے۔ اور سب نے بہت مزے سے کھانا کھایا۔ اسی دوران سالار خان کو شیری اور اسفند اپنی پسند کے متعلق بتاتے رہے اور وہ یہ جان کر خوش ہوتا رہا کہ اس کے بچوں میں اس کی خصوصیات اور عادات موجود ہیں۔ رات کو وہ دونوں اسے اپنے کمرے میں لے آئے۔ اور شوکیس میں لگے کھلونے دکھانے لگے۔

''دیکھیں بابا جان! آپ کے گفٹس ہم نے کتنے سنبھال رکھے ہیں۔'' شیری نے کہا۔

''جیتے رہو بیٹا۔'' انہوں نے دونوں کو اپنے ساتھ لگا لیا۔ وہ دل ہی دل میں گل چاندنی کا بے حد ممنون تھے کہ اس نے اس کے بچوں کو اس کی غیر موجودگی کا احساس نہیں ہونے دیا تھا بلکہ انہیں اپنے باپ سے پیار کرنا، اس کا احترام کرنا، اس کا محبت سے انتظار کرنا سکھایا تھا۔ وہ اپنی تصویریں دونوں کے بیڈ رومز میں دیکھ کر خوشی سے آبدیدہ ہو گئے۔

گل چاندنی نے ان کا ہر نقش اس کے بچوں کے ذہنوں میں دلوں میں اور آنکھوں میں محفوظ کرا دیا تھا۔ جبھی تو وہ اسے دیکھتے ہی پہچان گئے تھے۔ ان یک تعلیم اور تربیت وہ جس نہج پر کر رہی تھی۔ اس سے بھی وہ بہت متاثر ہوئے تھے۔

شیری اور اسفند انہیں دکھا رہے تھے اپنے کھلونے جو گل چاندنی انہیں اس کے حوالے سے دیتی آئی تھی۔ ان کھلونوں میں مشینی کھلونا روبوٹ، جہاز، پنک پینتھر، مکی ماؤس، ٹیڈی بیئر، فٹ بالز، چابی سے چلنے والی کاریں اور ریل گاڑی موجود تھی۔ سالار خان کے دل میں گل چاندنی کی محبت ہزار گنا بڑھ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

''کیا دیکھ رہی ہو؟'' سالار خان نے محبت سے پوچھا۔

''آپ بہت پیارے ہو گئے ہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے دل سے کہا۔

''اچھا۔'' وہ دھیرے سے ہنس پڑے اور محبت سے بولے۔ ''جدائی میں کیا لوگ پیارے ہو جاتے ہیں؟''

''ہاں، جدائی میں لوگ پیارے ہی تو ہو جاتے ہیں۔'' اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''صحیح کہا تم نے۔ جو لوگ ہمیں پیارے ہوتے ہیں جب وہ ہم سے جدا ہوتے ہیں تو ہمیں اور بھی پیارے ہو جاتے ہیں۔ جیسے مجھے تم۔''

''اور مجھے آپ۔'' گل چاندنی نے شرگیں لہجے میں کہا تو وہ خوش دلی سے ہنس دیئے۔ ''چاندنی! وہ کنگن۔'' ان کی نظر اس کی خالی کلائی پر پڑی تو کلائی تھام کر بولے۔

''آئی ایم سوری سالار! ہم ان کنگن کی حفاظت نہیں کر سکے۔ وہ بے خبری میں ہم سے کھو گئے تھے۔ یہاں آتے ہوئے ریل گاڑی میں۔'' اس نے شرمندہ لہجے میں کہا۔

''مجھے معلوم ہے۔'' انہوں نے اس کی خالی کلائی اپنی محبت کی مہر سے پُر کر دی اور اسے کنگن ملنے کی، اپنی بے قراری اور پریشانی کی ساری واردات اسے کہہ سنائی۔

''چاندنی! تم نے کس لمحے مجھے بہت شدت سے یاد کیا تھا؟''

''اس لمحے جب ایک عورت کو اپنے شوہر کی بے حد ضرورت ہوتی ہے۔ وہ آج ہی کا دن تھا بلکہ رات تھی، گھپ اندھیرا، بارش، تیز ہوا اور میں تنہا تھی اپنے کمرے میں۔ شیری اور اسفند کی پیدائش کی رات تھی وہ۔ جب میں نے خدا کے بعد آپ کو..... اپنی مدد کے لیے بے اختیار اور بار بار پکارا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے میری زندگی کی آخری سانسیں چل رہی ہیں۔ میں آپ کو..... پکارتی ہوئی کمرے سے نجانے کیسے باہر نکل گئی تھی..... اور اپنی بے بسی اور تکلیف کی شدت سے بے ہوش ہو گئی تھی۔ وہ تو اچانک ممی کو میرے اکیلے پن کا خیال آ گیا تو وہ ادھر آ نکلیں اور مجھے ہسپتال پہنچایا۔ جہاں میرا آپریشن کیا گیا اور خدا نے مجھے موت کے منہ میں جانے سے ہی بچایا بلکہ مجھے دو زندگیوں کی نوید بھی

سنائی تھی۔ شیری اور اسفند کو دیکھ کر..... ایک بار پھر مجھے آپ بہت شدت سے یاد آئے تھے۔"

گل چاندنی نے ٹھہر ٹھہر کر بھیگتے لہجے میں بتایا۔ اس کی نیلی نیلی آنکھوں سے پانی رواں تھا۔ سالار خان بھی اس کی اس لمحے کی حالت اور تکلیف کو محسوس کر کے آبدیدہ ہو گئے اور اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولے۔

"چاندنی! تم میری ڈائری پڑھنا تمہیں یقین آ جائے گا کہ اس شب میں نہیں سو سکا تھا۔ تمہاری سسکیوں کے ساتھ ساتھ مجھے بچے کے رونے کی آواز بھی آ رہی تھی۔ میں سوتے ہوئے گھبرا کر اٹھ بیٹھا تھا اور ساری شب تمہاری خیریت اور سلامتی کی دعائیں مانگتے گزار دی تھی۔ پھر صبح صدقہ خیرات دیا تھا تاکہ خدا تمہیں تمام بلاؤں اور تکلیفوں سے محفوظ رکھے۔"

"سالار! ہمیں یقین تھا کہ آپ کی دعائیں ہمارے ساتھ ہیں۔ جبھی تو ہم ہر مشکل سے با آسانی گزر گئے۔ یہاں پہنچتے ہی ڈاکٹر بھی اچھلی ملیں پھر میڈم آمنہ اور ان کے شوہر نے ہمیں اپنی بیٹی بنا لیا۔ شیری اور اسفند کی پیدائش خیریت سے ہو گئی۔ ہم نے اپنی تعلیم مکمل کی اور کالج میں لیکچرار شپ کی جاب ہمیں فوراً مل گئی۔ بچوں کو اسکول میں داخل کرا دیا۔ سب ٹھیک چل رہا تھا۔ آپ کی یادوں اور دعاؤں کے سہارے ہم یہاں تک پہنچے ہیں۔ آپ کی دور اندیشی نے ہمیں بہت سے مشکلوں سے بچائے رکھا۔ نکاح نامے کی کاپیاں اور آپ کے شناختی کارڈ کی کاپیاں ہمارے کام آئیں۔ حق مہر کی رقم ہم نے چار سال تک بہت سلیقے سے خرچ کی۔ ساتھ ساتھ ملبوسات کی سلائی کرتے رہے تاکہ ہمیں کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانے پڑیں۔"

"چاندنی! تم دوسروں کے کپڑے سیتی رہیں۔" انہوں نے شاک کی سی کیفیت میں اسے دیکھا۔

"جی سالار! ہمیں اپنی خودداری بہت عزیز تھی۔ بے شک ممی ڈیڈی ہمیں اپنی بیٹی کی طرح سمجھتے تھے۔ ہمیں سلائی کٹائی کے کام سے منع بھی کرتے تھے مگر ہمیں یہ ہرگز گوارہ نہیں تھا کہ ہم ان کے خرچ پر گزر بسر کریں۔ ان کے پہلے ہی بہت احسانات تھے ہم پر پھر بھی انہوں نے ہمارا اور ہمارے بچوں کا بہت خیال رکھا ہے۔ سگے ماں باپ کی طرح ہماری ضرورتوں کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہمیں ان

سے بے حد محبت ہے۔"

"مجھے بھی ان سے محبت ہے جنہوں نے میری چاندنی اور میرے بچوں کو اپنا سمجھا۔ ان کا ساتھ دیا۔ ان کا خیال رکھا۔ میں خود ان کا شکریہ ادا کروں گا۔"

"سالار۔" گل چاندنی نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ جب پہلی بار ہمیں ملے تھے تو ہمیں لگا تھا جیسے ہم کوئی سہانا خواب دیکھ رہے ہیں۔ دو ماہ بعد وہ خواب ٹوٹ گیا تھا اور اس کی کرچیاں ہماری روح میں کھب گئی تھیں۔ اب آپ ہمیں دوبارہ ملے ہیں تو بھی ہمیں آپ کا ملنا ایک خواب لگ رہا ہے کہیں پھر تو یہ خواب ٹوٹنے کے عمل نہیں دہرائے گا۔ پھر تو ہماری روح زخمی نہیں ہوگی نا۔"

"نہیں چاندنی! اب ایسا نہیں ہوگا۔ اب وہاں بھی سب کچھ بدل گیا ہے۔ وہ سب تم سے بہت شرمندہ ہیں۔ تم سے معافی کے طلبگار ہیں۔" سالار خان نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا اور گزشتہ برسوں کا احوال حرف بہ حرف کہہ سنایا۔ تو وہ سنجیدہ لہجے میں بولی۔

"سالار! خدا جانتا ہے ہم نے تو کسی کو بھی بددعا نہیں دی تھی اور دیتے بھی کیوں؟ وہ آپ کے رشتے دار تھے ہمارے لیے محترم تھے۔ انہوں نے جو سلوک ہمارے ساتھ کیا آپ کی محبت کی طاقت کے سامنے وہ ریت کے ذرے کی سی اہمیت رکھتا ہے ہمارے سامنے۔ ہم آپ کی محبت کی خاطر سب کچھ سہہ سکتے تھے اور جب آپ ہمارے تھے تو ہمیں دوسروں کے کسی فعل کی پروا نہیں تھی اور نہ آئندہ ہوگی۔"

"چاندنی! تم نے بچوں کو جس طرح میری عدم موجودگی کا احساس نہیں ہونے دیا، جس طرح انہیں ماں اور باپ دونوں کی محبت اور شفقت دی ہے، جس طرح ان کی تعلیم اور تربیت کر رہی ہو۔ میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں۔ مجھے بچوں کی کتنی خواہش تھی اور یہ خواہش اللہ تعالیٰ نے تمہارے رشتے سے پوری کر دی۔ بچوں سے مل کر مجھے ایک لمحے بھی یہ محسوس نہیں ہوا کہ میں ان سے پہلی بار مل رہا ہوں بلکہ مجھے محسوس ہوا جیسے میں شروع دن سے ان کی زندگی میں شامل ہوں۔ تھینک یو چاندنی، تھینک یو ویری مچ۔" سالار خان نے اس کے ہاتھ چوم کر کہا تو اس نے ان کے شانے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

☆.....☆.....☆

''چاندنی! یہ کپڑے تو میرے سوٹ کیس میں نہیں تھے، یہ کہاں سے آئے؟''

وہ صبح نہا کر ہلکے براؤن رنگ کے کرتے شلوار میں ملبوس واش روم سے نکلے تھے اور اس سے پوچھ رہے تھے۔ تو اس نے مسکراتے ہوئے ایک سوٹ کیس ان کے سامنے کھول دیا جس میں ان کے ناپ کے چھ سات جوڑے استری شدہ رکھے تھے۔

''یہ اس سوٹ کیس میں آئے ہیں۔ آپ کا جو سوٹ میں اپنے ساتھ لے آئی تھی یہ اسی ناپ کے سلوائے ہیں میں نے ہر عید پر۔'' اس نے بتایا۔

''چاندنی! تم نے مجھے کس کس طرح سے یاد رکھا ہے؟'' وہ خوشی سے بھیگتی آواز میں بولے۔

☆.....☆.....☆

سالار خان نے ان سب کو خوب شاپنگ کرائی، گل چاندنی نے اپنی پاکٹ منی سے جو کرنل زوار ملک اور میڈم آمنہ اسے دیتے رہے تھے، جمع کر رکھی تھی، وہ اور اپنی کالج کی جمع شدہ تنخواہ سے سالار خان کے لیے ایک بہت نفیس انگوٹھی خریدی جس میں ایک چھوٹا سا نازک سے ہیرا جڑا ہوا تھا۔

یہ انگوٹھی اس نے سالار خان سے نظر بچا کر خریدی تھی وہ انہیں سرپرائز دینا چاہتی تھی۔ اپنی محبت کی کمائی سے تحفہ خرید کر وہ بہت مسرور تھی۔

سالار خان کے آنے سے وقت کے گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ خوشیوں کے دل پر لگا کر اڑ گئے۔ سالار خان نے اسے واپس جانے کے لیے آمادہ کر ہی لیا تھا۔ کرنل زوار ملک، میڈم آمنہ اور گل چاندنی نے اس معاملے کا حل استخارے سے نکالا تھا۔ مبارک فال آئی تھی اس لیے گل چاندنی بھی اللہ پر بھروسہ کر کے سالار خان کے ساتھ اس شہر ستمگر میں دوبارہ جانے کو تیار ہو گئی تھی جس میں اس کی تذلیل کی گئی تھی۔ اسے بے سائباں کیا گیا تھا۔ ان کے جانے سے دو دن پہلے اچانک کرنل زوار ملک اور میڈم آمنہ کے دونوں بیٹے شہرام اور بہرام ملک جو دونوں ماہر ڈاکٹر تھے، اپنے بیوی بچوں سمیت ہمیشہ کے لیے وطن واپس آ گئے۔ گرین کاٹیج میں تو خوشیوں کی بہار آ گئی۔ کرنل زوار ملک اور میڈم آمنہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ شہرام اور بہرام گل چاندنی، اسفند، شیری اور سالار خان کے لیے بھی گفٹس

لائے تھے۔ میڈم آمنہ اور کرنل زوار ملک نے بھی جاتے وقت ان چاروں کو بہت سے تحائف دیئے۔
کرنل زوار ملک نے سالار خان کو بہت قیمتی گھڑی پہنائی تو سالار خان نے کہا،
''انکل! اس کی کیا ضرورت تھی؟''
''بیٹے! گھڑی کی ضرورت ہر وقت رہتی ہے۔'' ان کے جواب پر وہ ہنس پڑا۔
''بہت بہت شکریہ انکل۔''
''کوئی شکریہ نہیں۔ تم ہمارے داماد ہو۔ کل چاندنی کو لاوارث مت سمجھنا۔ یہ ہماری اکلوتی بیٹی ہے۔ اس نے ہمیں بیٹوں کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی۔ یہ گھر اس کا میکہ ہے اور جب اس کا دل چاہے اسے یہاں ہم سب سے ملوانے کے لیے لاتے رہنا ورنہ ہم خود اپنی بیٹی اور نواسوں سے ملنے کے لیے تمہارے گھر پہنچ جائیں گے اور تمہارے کان کھینچیں گے۔ سمجھ گئے ینگ بوائے۔''
''یس سر۔'' سالار خان نے ان کے بارعب انداز پر سیلوٹ مار کر کہا تو سب ہنس دیئے۔
''گل چاندنی! بیٹی، یہ تمہاری امانت ہے۔ اب تم سنبھالو اسے۔'' میڈم آمنہ نے ایک بھاری سا لفافہ اس کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے کہا۔
''یہ کیا ہے ممی؟''
''بیٹی! یہ وہ رقم ہے جو گزشتہ تقریباً چھ سالوں میں تم نے ہمیں اس گھر میں رہنے کے کرائے کے طور پر ادا کی ہے۔ تم اس کے بغیر یہاں رہنے پر آمادہ نہیں تھیں سو مجبوراً مجھے تمہاری یہ بات ماننا پڑی تھی۔ یہ رقم میرے پاس تمہاری امانت تھی۔ اب تم جا رہی ہو تو تمہارے ساتھ کر رہی ہوں۔ پگلی! والدین اپنی اولاد سے صرف محبت اور سعادت مندی کی توقع رکھتے ہیں۔ دولت کی نہیں۔ اور والدین بیٹی کو کچھ دیتے ہی ہیں اس سے کچھ لیتے نہیں ہیں۔ بیٹی کو دے کر رخصت کرتے ہیں خالی ہاتھ تو نہیں بھیجتے۔ اللہ تمہیں اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ ہمیشہ آباد رکھے۔ جب تمہارا دل چاہے ہم سے ملنے آتی رہنا۔ اسے اپنا ہی گھر سمجھنا۔ جہاں تمہارے ماں باپ، بھائی اور بھابیاں، بھتیجے بھتیجیاں تمہیں خوش آمدید کہنے کے لیے موجود ہوں گی۔ ہمیں تمہاری خودداری عزیز تھی۔ سمجھ لینا کہ یہ رقم تمہاری اسی خودداری کا انعام ہے۔''

''تھینک یو ویری مچ ممی۔'' وہ ان کے گلے لگ کر خوشی سے رو پڑی۔

''نانا ابو، نانی امی..... آپ ہمیں ملنے آئیں گے ناں۔'' شیری اور سفند نے ایک ساتھ پوچھا۔

''ضرور آئیں گے اور آپ دونوں کو بھی آنا ہوگا۔'' کرنل زوار ملک نے پُرنم آواز میں کہا۔

''ہم آئیں گے نا بابا جان۔'' دونوں نے سالار خان کی طرف دیکھا۔

''ہاں کیوں نہیں بیٹے! یہ آپ کے نانا ابو اور نانی امی کا گھر ہے ہم یہاں آیا کریں گے۔''

سالار خان نے دونوں کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نرمی سے کہا اور یوں انہوں نے گل چاندنی کو بہت ہی پیارے ملٹی کلرز کے کڑھائی والے لباس میں دلہن بنا کر دعاؤں کے سائے میں سالار خان کے ساتھ اس کے بچوں کے ساتھ رخصت کر دیا۔

☆.....☆.....☆

ائیر پورٹ پر انہیں ڈرائیور پک کرنے کے لیے پہلے سے ہی موجود تھا۔ اقتدار پیلس میں گاڑی رکتے ہی اقتدار خان، زرینہ بیگم، سائرہ باجی، ان کے سسرالی اور دیگر رشتے دار خواتین وہاں جمع ہو گئے۔ ان کے ہاتھوں میں گلاب کے پھولوں کے ہار تھے۔ آسمان ٹھنڈی ٹھنڈی بوندیں برسانے لگا۔ تو سالار خان نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

''تین سال سے یہاں بارشیں نہیں ہوئیں، فصلیں تباہ ہو رہی ہیں۔ تمہارے نیک ارادے اور مبارک قدم سے آسمان بھی خوش ہو کر زمین بوئی کے لیے اتر آیا ہے۔ شکر الحمدللہ۔''

''سالار! ہمارا دل گھبرا رہا ہے۔'' اس نے ان کے ہاتھ پکڑ کر سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

''کم آن چاندنی۔ دل ابھی خوشی سے لہرانے لگے گا۔ چلو اترو۔'' انہوں نے نرمی سے کہا۔

اس کے ہاتھ ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ اقتدار خان نے خود ہی اس کی جانب سے گاڑی کا دروازہ کھولا اور زرینہ خاتون نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے گاڑی سے اتارا اور اس کی پیشانی چوم کر گلے لگا لیا۔ سالار خان بچوں کے ساتھ گاڑی سے اتر آئے۔ سب خوشی خوشی مل رہے تھے۔ اقتدار خان نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور بولے۔

''گل چاندنی! بیٹی۔ ہم تم سے بہت شرمندہ ہیں۔ ہم سب کو معاف کر دو۔ اب تمہیں ہم سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ تم اس گھر کی بہو نہیں بیٹی بن کر رہو گی۔''

''بابا سائیں! ہمارے دل میں آپ کے لیے کوئی غصہ، نفرت یا عداوت نہیں ہے۔ ہمارا یہاں آنا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم سب کو دل سے معاف کر چکے ہیں۔ آپ ہمارے لیے قابل احترام ہیں۔ ہمیں آپ سے کوئی گلہ نہیں ہے۔''

گل چاندنی نے مدھم آواز میں کہا تو وہ خوشی سے بھیگتے لہجے میں بولے۔

''جیتی رہو۔ اللہ سائیں تمہیں سدا شاد و آباد رکھے۔ چلو بیٹا اندر چلو۔''

اس کے گلے میں سات سہاگنوں نے سرخ پھولوں کے ہار پہنائے اور سائرہ باجی اور زرینہ خاتون اسے پکڑ کر اندر ڈرائنگ روم میں لے آئیں۔ شیری اور اسفند اس نئے ماحول سے، نئے لوگوں سے گھبرائے، بوکھلائے بالکل بھی نہیں تھے۔ بلکہ بڑے اعتماد و وقار سے کھڑے مسکراتے ہوئے سب سے مل رہے تھے۔ سالار خان دونوں کو سب سے ملوا کر ڈرائنگ روم میں لے آئے۔ جہاں زرینہ بیگم نے چند روایتی شادی کی رسمیں ادا کرنے کا اہتمام کر رکھا تھا۔ انہیں گل چاندنی کے ساتھ بٹھا دیا گیا۔ شیری اور اسفند بھی اس کے ساتھ ساتھ بیٹھ گئے۔

''گل چاندنی! بیٹی، تمہارے گلے میں جو پھولوں کے ہار ہیں وہ باری باری تم سالار خان کے گلے میں پہنا دو۔'' زرینہ خاتون نے پیار سے کہا۔

''جی۔'' اس نے گھبرا کر پہلے انہیں اور پھر سالار خان کو دیکھا۔

''بھئی، یہ یہاں کی رسم ہے۔ ویسے تم پھولوں کے ہار میرے گلے میں نہ ڈالنا چاہو تو اپنی پھولوں جیسی بانہوں کا ہار بھی مجھے پہنا سکتی ہو۔ میں مائنڈ نہیں کروں گا۔'' سالار خان کی سرگوشی شوخی اور شرارت سے بھرپور تھی۔ وہ بری طرح شرما گئی۔ سر جھکا کر آہستگی سے بولی۔

''بہت خراب ہیں آپ۔''

''پھولوں کے ہار پہنا دو۔ ابھی ٹھیک ہو جاؤں گا۔'' انہوں نے شوخ لہجے میں آفر کی۔

''ارے یہ کیا سرگوشیاں ہو رہی ہیں۔ دلہن بیٹی! پہناؤ نا ہارا اپنے دولہا میاں کو۔''

زرینہ خاتون نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ مزید نروس ہوگئی۔ سالار خان کو دیکھا جو بہت دلفریب انداز میں مسکرا رہے تھے۔ مجبوراً اس نے اپنے گلے میں پہنائے گئے گلاب کے ساتوں ہار ایک ساتھ اتارے اور ایک ساتھ ہی سالار خان کے گلے میں پہنانے کے لیے ہاتھ بڑھائے تو وہ شرارت سے جھائی دے گئے۔ ڈرائنگ روم قہقہوں سے گونج اٹھا۔

گل چاندنی سٹپٹا گئی اور خفا خفا نظروں سے سالار کو دیکھا تو انہوں نے پیار سے اسے دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے اپنا سر اس کے آگے کر دیا۔ جونہی اس نے اس کے گلے میں ہار پہنائے۔ انہوں نے اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔ سب کے سامنے اس کی اس شوخ جسارت پر وہ شرم سے بے حال ہوگئی۔ سب کے قہقہے ایک بار پھر گونجے۔

''سارے ہار ایک ساتھ ہی پہنا دیے ہیں۔ ایک ایک کر کے پہنانے تھے۔ دوبارہ پہناؤ۔'' سالار خان نے شوخ لہجے میں کہا تو اس نے خفگی سے اسے گھورا اور پھر نظریں جھکا لیں۔

''کوئی بات نہیں سالار! بچی کے ہاتھ چھوڑ دو، کیوں پریشان کر رہے ہو اسے۔''

زرینہ خاتون نے مسکراتے ہوئے کہا تو اس نے ہلکے سے اس کے ہاتھ دبا کر چھوڑ دیئے۔

''لو اب تم یہ سات رنگ کی چوڑیاں دلہن کو پہناؤ۔ کلائی بھر دو دلہن کی اور جو جوڑا رات کو ولیمے کی تقریب میں دلہن پہنے گی اس رنگ کی چوڑیاں بھی دائیں ہاتھ میں پہنا دو۔ جلدی کرو شاباش۔'' زرینہ خاتون نے چوڑیوں سے سجی طشتری اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے ست رنگی چوڑیوں کا سیٹ اٹھا لیا اور شوخ نظروں سے گل چاندنی کا شرم و حیا سے سرخ ہوتا چہرہ دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ ایک بار پھر شرم سے تپ گئی۔

سالار خان نے احتیاط سے چوڑیاں اس کی کلائی میں منتقل کیں تاکہ نہ چوڑی ٹوٹے نہ اس کی نازک کلائی زخمی ہو سکے۔

''اماں! یہ چوڑیاں بہت ڈھیلی ہیں۔ ابھی نکل جائیں گی اس کے ہاتھ سے۔'' سالار خان نے چوڑیاں پہناتے ہوئے کہا تو سب ہنس پڑے۔

''بیٹا! رسم تو پوری کرو۔ تم بھی تو بڑوں کے ناپ کی چوڑیاں اسے پہنا رہے ہو۔ بچوں کے ناپ

کی چوڑیاں پہناؤ اسے۔ نازک سی تو کلائی ہے دلہن کی۔'' آمنہ خاتون نے شوخی سے کہا تو جہاں گل چاندنی شرمندہ سی ہوگئی وہاں وہ سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ گل چاندنی نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ سے کھینچ لیا۔ تو سالار خان نے مسکراتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا۔

''خفا نہیں ہونا۔ یہ مذاق کر رہی ہیں۔ قسم سے تم ان چھ برسوں میں بھی نہیں بدلیں۔ یوں لگ رہا ہے آج تم سترہ برس اور ایک ہفتے کی گل چاندنی ہو۔ شاید محنت نے تمہیں پھیلنے پھولنے کا موقع نہیں دیا۔ ہے نا۔ کام بھی تم نے بہت کیا ہے اس عرصے میں۔''

''آپ تو جیسے آرام کرتے رہے ہیں نا۔'' اس نے آہستگی سے قدرے خفگی سے کہا۔

''ارے کہاں میری جان۔ آرام تو میں اب کروں گا۔'' انہوں نے ہنس کر شوخ لہجے میں سرگوشی کی۔

''دلہن تمہاری ہے بیٹے۔ باتیں بعد میں کر لینا۔ پہلے جلدی جلدی رسمیں پوری کرو۔''

زرینہ خاتون نے مٹھائی کی پلیٹ میز پر رکھتے ہوئے کہا تو انہوں نے ہنس کر اپنی خفت مٹانے کی کوشش کی اور سفید اور سلور گرے کلر کی چوڑیوں سے گل چاندنی کی دوسری کلائی بھر دی۔ اور مدھم آواز میں بولے۔

''چاندنی! وہ کنگن میں نے ایک غریب اور یتیم بچی کے جہیز کے لیے دے دیئے تھے۔ تمہیں برا تو نہیں لگا نا؟''

''نہیں۔ آپ نے بہت اچھا کیا۔ آپ کی ان نیکیوں نے ہی ہمیں محفوظ رکھا تھا ہر بلا سے، ہر مشکل اور پریشانی سے۔'' اس نے بھی مدھم آواز میں جواب دیا۔

''مٹھائی کھلاؤ دلہن کو۔ کن باتوں میں لگے ہو۔'' سائرہ باجی نے اس کے کندھے کو ہلایا۔

''آپ کو کیوں بتائیں۔ ہماری ذاتی باتیں ہیں۔'' سالار خان نے ہنس کر کہا تو سب کے شوخ قہقہوں نے گل چاندنی کو حجاب آمیز صورت حال میں لپیٹ دیا۔ اور جب وہ اسے ایک ایک کر کے سات قسم کی مٹھائی کھلانے لگے تو اس نے اسی کی سربزم شوخیوں اور شرارتوں کا بدلہ اس طرح لیا کہ ان کی انگلی پر کاٹ لیا۔ اور سب کے سامنے بس اسے پیار سے گھور کر رہ گئے۔ وہ مسکرانے لگی۔

☆.....☆.....☆

گل چاندنی جگمگ کرتی ''چاندنی لاج'' کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی۔ ''چاندنی لاج'' بھی چاندنی بنی ہوئی تھی۔ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں سالار خان کا شکریہ ادا کیا۔

''یہ سب تمہارا ہے چاندنی۔ اسے اپنی شادی کا تحفہ سمجھو۔'' سالار خان نے آہستگی سے کہا۔

''اچھا۔'' وہ اس ک چہرے کو دیکھ کر معصومیت سے بولی۔

''ادھر دیکھو۔'' انہوں نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر آہستگی سے کہا۔

''کیسے دیکھیں۔'' اس کا لہجہ حیا میں ڈوبا ہوا تھا۔

''جیسے ہم دیکھ رہے ہیں۔ آنکھوں سے، دل سے۔''

''اللہ۔ بس کیجیے نا۔'' اس نے شرما کر اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''ماما چاندنی، بابا جانی! ہم آ جائیں؟''

شیری اور اسفند نے دروازہ کھٹکھٹا کر بلند آواز میں پوچھا۔

''آ جائیں بیٹے۔ اجازت کی ضرورت کیوں پیش آئی آپ کو۔ یہ آپ کے ماما بابا کا، آپ کا اپنا گھر ہے۔''

سالار خان نے دروازہ خود جا کر کھولا اور انہیں اندر لاتے ہوئے پیار سے کہا۔

''لیکن ہم یہاں پر آئے تو پہلی بار ہیں ناں اور ماما کہتی ہیں کہ جب کسی نئی جگہ یا کسی بڑے کے کمرے میں جانے لگیں تو پہلے ان سے اجازت لے لیں تا کہ کسی کو آپ سے شکایت نہ ہو۔'' شیری نے مسکراتے ہوئے گل چاندنی کا ہاتھ تھام کر بتایا۔

''آپ اپنی ماما کے کمرے میں جانے سے پہلے بھی ان سے اجازت لیتے ہیں۔''

''نہیں۔ یہ تو ہماری ماما جان ہیں ان کے کمرے میں تو ہم جب مرضی چلے جاتے تھے۔ ماما کچھ نہیں کہتی تھیں۔ یہ جگہ نئی ہے نا اس لیے ہم نے سوچا کہ ہم اجازت لے لیں اور ہمیں سچ معلوم بھی نہیں تھا کہ آپ دونوں اس کمرے میں ہیں۔ پہلے دو کمروں میں تو آپ نہیں تھے۔''

اسفند نے تفصیل سے بتایا تو انہوں نے ہنس کر اسے اپنی بانہوں میں اٹھایا اور اس کا گال چوم کر کہا۔

''آپ کی ماما چاندنی نے آپ کی تربیت بہت مثالی کی ہے۔شاید میں بھی ایسی تربیت نہ کر سکتا۔''

''تو پھر آپ بھی ماما چاندنی سے سیکھ لیتے۔وہ آپ کی تربیت بھی کر دیتیں۔''اسفند نے سادگی سے کہا تو وہ دونوں خوش دلی سے ہنس پڑے۔

''بابا جانی! ماما چاندنی آج شہزادی چاندنی لگ رہی ہیں ناں۔''شیری نے گل چاندنی کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے شرما کر اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔سالار خان اسفید کو لیے ان کے قریب آ گئے۔

''خوش رہو میری زندگیو۔''سالار خان نے محبت سے ان تینوں کو اپنی چاہت بھری وسیع آغوش میں سمو لیا۔یوں جیسے پھول اپنی پتیوں کو اپنے اندر سمیٹ لے۔جیسے خوشبو کو اپنے پنکھ پنکھ میں بسا لے۔ گل چاندنی کی پلکیں خوشی سے بھیگ گئیں۔

❁ ❁

ختم شد